www.iqbalkalmati.blogspot.com

نامور جاسوس عورتیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پہلی بار ۱۹۶۹ء
تعداد دو ہزار
قیمت ۲٫۵۰

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ۔ لاہور • باہتمام عبدالحمید خان پرنٹر و پبلشر

ترتیب

۱۔ ماتا ہری ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵
۲۔ مرتھی رچر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷۰
۳۔ اینٹ ورپ کی
خفیہ تربیت گاہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۸۴
۴۔ بانڈا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۹۰
۵۔ پرل ہاربر کی جاسوسہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۹۶
۶۔ میتلدا کار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰۴
۷۔ کرسٹین گرین ول ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۱۴
۸۔ سنتھیا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۲۰
۹۔ ہندوستان کی
جاسوس شہزادی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۲۲

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ماتاہری

ستارے جگمگاتے ہیں، ماند پڑ جاتے ہیں پھر ٹوٹ کر فضا میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو جاتے ہیں ——

ماتاہری بھی ایک ایسا ہی ستارہ تھی جو ڈوب کر کبھی نہ ابھرا۔

جاسوسی کی دنیا میں ایسے بدنصیب ستاروں کی کمی نہیں۔ زمانہ کبھی ایسی عورتوں کے وجود سے خالی نہیں رہا جو انہی کو فریبِ حسن دیتی ہیں، انہی کے سفلی جذبات کی آبیاری کرتی ہیں جو ان کے جانی دشمن ہوتے ہیں۔ کام جان جوکھوں کا سہی لیکن جاسوس عورتوں کا یہی فرض ہے۔

وہ بیسویں صدی کی نامور ترین جاسوسہ تھی۔ یہ اور بات ہے کہ جاسوسی کی تاریخ میں کوئی اور ایسی ہستی نہیں ملتی جس نے بہت تھوڑا کام کر کے بے پناہ شہرت حاصل کر لی ہو اور قیدِ زمان کی حدود کو توڑ کر ماضی و حال پر چھا گئی ہو۔

ایک بات اس کے بارے میں بڑے یقین سے کہی جا سکتی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے کہ اس نے آگ کا کھیل کھیلا اور نادانی کی۔

اس کی زندگی کا آغاز بالکل معمولی انداز میں ہوا۔ ۱۸۷۶ء کی ایک صبح وہ ہالینڈ کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئی۔ اس کی پیدائش پر نہ کوئی ہنگامہ ہوا اور نہ کوئی ہلچل۔ اوسط درجے کے گھروں میں لڑکی کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا بھی نہیں جاتا۔ ماں باپ نے مارگریتھا زیل نام رکھا۔ جب ذرا سیانی ہوئی تو کنونٹ اسکول میں داخل کروا دیا گیا تاکہ زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو جائے۔ کسی کو کیا خبر تھی کہ کنونٹ تو کیا بڑی سے بڑی یونی ورسٹی میں بھی وہ ذہانت اور سوجھ بوجھ نہیں ملتی جس نے ماتا ہری کو مکار، رقاصہ اور خطرناک جاسوسہ بنا دیا۔

ماں باپ کا خیال تھا کہ وہ واجبی سی تعلیم پائے گی، جوان ہو گی، بیاہ کرے گی اور شریف زادیوں کی طرح گھریلو زندگی اختیار کرے گی۔ ان بے چاروں نے اپنی بساط کے مطابق خواب دیکھے تھے لیکن ماتا ہری نے ان کے سارے خوابوں کو جھٹلا دیا، تمام اندازے غلط کر دکھائے۔ اس نے جھونپڑے میں رہ کر تصورات کے محل بنا ڈالے۔

کنونٹ میں اس نے ناچنا سیکھا اور پھر تمام عمر ناچتی ہی رہی — یہی نہیں بلکہ ایک دنیا کو اپنے اشاروں پر نچاتی رہی۔

اس عمر کو پہنچی جب سینے کے حفاظتی بند ٹوٹ جاتے ہیں اور دوشیزگی

کا پیمانہ مستی سے لبریز ہو جاتا ہے تو اسے مکلوڈ سے بیاہ دیا گیا۔ ادھیڑ عمر کا یہ فوجی افسر ہالینڈ کی ایک نوآبادی میں متعین تھا۔ متین طبیعت کا آدمی تھا اور ماتا ہری کی شوخی کی تاب لانے کا اہل نہ تھا۔

وہ ایک کنویں کی تہہ کا پانی تھی۔ ایک بے قرار سمندر کا طوفان اور مکلوڈ کے گھر کی چار دیواری میں اتنی سکت نہ تھی کہ آسمان کی خبر لینے والے بگولوں کو سماج کے بندھنوں کا پابند رکھے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ گھر کی دیواروں میں دراڑیں پڑنے لگیں مگر اسی اثنار میں ماتا ہری کے ایک لڑکی اور ایک لڑکا پیدا ہوا۔ ان کی پیدائش پر بھی گھر کا ماحول خوش گوار نہ ہوا۔ تلخی بڑھتی ہی رہی۔ مکلوڈ کڑھتا رہا۔ وہ جوان بیوی کو سمجھاتا، بجھاتا لیکن عمر اور طبیعت کے تفاوت سے بات نہ بنی پھر ایک ہولناک واقعہ رونما ہوا۔ کسی سفاک نے ماتا ہری کے بیٹے کو مار ڈالا۔ اس پر وہ غیظ و غضب میں دیوانی ہو گئی۔ اس نے اپنی جرأت و دلیری کا مظاہرہ کیا اور قاتل کو نہایت بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اس کے بعد وہ کبھی قانون کو ہاتھ میں لینے سے نہ گھبرائی — قانون کو ایک ناتواں رشتہ سمجھتی رہی۔

وہ پہلے درجے کی رنگین مزاج تھی۔ اس کی لڑکی کا حشر بھی کچھ اچھا نہ ہوا۔ اسے بھی کسی نے مار دیا۔ یہ تھی سزا گھریلو زندگی کی بے حرمتی کی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ماتاہری بیک وقت چالاک بھی تھی اور مسکین بھی۔ بالکل بلّی کی خاصیت رکھتی تھی۔ مکلوڈ اس بلّی سے سخت پریشان تھا۔ وہ اگرچہ ایک سنگ دل فوجی تھا لیکن ماتاہری اس سے بھی بڑھ کر سنگ دل تھی ——— مگر مکلوڈ کو مجبوری یہ آپڑی تھی کہ وہ حسین اور کم سن بیوی کو بہت چاہتا تھا۔

فوج کے سپاہیوں کے درمیان وہ ایک جابر افسر تھا لیکن گھر آکر بے حد ملائم اور نرم ہوجاتا۔ بیوی کا پھول سا مکھڑا دیکھ کر کھل اٹھتا اور اکثر اس سے کہتا، "جانِ من! میں نے اس گھر میں بڑی نازک تمنائیں بسائی ہیں۔ خدارا! اسے برباد نہ کرو! یہ تو میرا اور تمہارا دونوں کا گھر ہے۔"

ماتاہری سر جھٹک کر قہقہہ لگاتی پھر ایک قیامت خیز انگڑائی لیتی جو مکلوڈ کے توانا بازوؤں کو جھنجھوڑ کر آسمان کی سمت نکل جاتی۔ مکلوڈ کو اس کی جس قدر فکر رہتی ماتاہری اس سے اسی قدر بے پروائی کرتی ——— نتیجے میں گھر جہنم بن گیا شادی کی پہلی منڈھے نہ چڑھی اور طلاق ہوگئی۔ اس میں سارا قصور یسماب پا ماتاہری ہی کا نہیں تھا مکلوڈ بھی اس کا ذمہ دار تھا۔ اسے جوا کھیلنے کی لت پڑ گئی تھی۔ اس بری طرح جوا کھیلتا کہ سب کچھ ہار بیٹھتا۔ قرض کی نوبت آجاتی آخر قرض بڑھتا گیا اور ماتاہری مکلوڈ اور گھر دونوں سے بے زار ہوگئی۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ گھر کی چار دیواری میں سمٹ سکڑ کر رہنا اس کے بس کا روگ نہ تھا۔ اسے تو لندن، پیرس،

آرمسٹرڈم، میڈرڈ کے شاہی ہوٹل اور شبانہ کلب اپنی سمت بلا رہے تھے ——— کیوں کہ حقیقتاً وہ ایک رنگین مزاج عورت تھی۔

جاوا ماتاہری کی بیکل زندگی کا ایک اہم ترین مرکز تھا۔ جس کی فضاؤں میں مشرق کا پراسرار دل دھڑکتا تھا، جس نے مارگریتھا زیل کو ماتاہری بنا دیا اور اسے نیا رنگ روپ اور ایک نئی مہک دی۔ ماتاہری نے بھی کچھ اس لگن سے جاوا کو اپنی ذات میں سمویا کہ وہ آخر دم تک اس کی ذات سے جدا نہ ہوا۔ دراصل اس کی شخصیت کے خط و خال یہیں اجاگر ہوتے تھے۔ آنے والے عہد کے لیے اس نے جاوا کے تہذیبی نقش دل و دماغ پر ثبت کر لیے تھے اور ایک نئے انداز سے عورت بننے کے خواب دیکھنے لگی تھی۔ ان خوابوں میں مشرق کی بھینی بھینی خوشبوؤں سے لبریز جاوا مضطرب تھا جو اس کے لیے زمین کا کوئی نامانوس ٹکڑا یا کوئی اجنبی دیس نہ تھا بلکہ زندگی کی ایک دل فریب ادا تھا جس سے اس نے اپنی ذات میں حسن پیدا کیا۔

وہ جاوا کے رقص پر فریفتہ تھی ——— مغرب کا رقص جسمانی کسرت کا خوب صورت ذریعہ تھا لیکن جاوا کا رقص ایک لپکتا ہوا شعلہ تھا جس میں جذبات کی تپش ہوتی۔ اسی بنا پر ماتاہری نے بڑی توجہ سے یہ رقص سیکھا اور اس میں مہارت حاصل کرلی۔ پھر جب اس میں اعتماد پیدا ہوگیا تو ایک مہکتی ہوئی رات کو روشنیوں کی برکھا میں اس نے اس کا مظاہرہ کیا۔ تماشائیوں میں اونچے طبقے کے لوگ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شامل تھے۔ خواتین بھی تھیں اور جاوا کی چوٹی کی رقاصائیں بھی۔ وہ پردہ بھی آیا تھا جس نے اسے ناچنا سکھایا تھا اور دیوداسی بنایا تھا ماتاہری نے شراب کا ایک پیالہ چڑھایا اور اس کی کشادہ آنکھوں میں ایک مستی دوڑ گئی۔ تماشائیوں نے بھی اعلیٰ قسم کی شراب کے خم پر خم لنڈھائے اور کچھ بوڑھے رئیس شراب پی کر غیر معمولی چستی دکھانے لگے۔

ماتاہری نے جاوا کی رقاصہ کا زرق برق لباس پہن رکھا تھا۔ مشرقی روایات کی آئینہ داری سے اس کے حسن میں ایک نکھار آگیا تھا۔ اب اس نے رقص شروع کیا تو بدن میں وہ لوچ وہ تیکھا پن اور حرکات میں وہ چلبلا پن تھا جو ہر تماشائی کی قوتِ نگاہ کو کھینچ لے۔ کبھی وہ آنکھوں سے گفتگو کرتی اور تماشائیوں کے جذبات میں ایک آگ سی لگا دیتی یہ رقص داخلِ عبادت تھا، اس میں جادو تھا، کشش تھی۔ آخر اس جوالا مکھی نے ایک شہزادے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ماتاہری مسکرائی۔ اس نے شراب کا پیالہ اٹھا کر اسے پیش کیا اور شہزادہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ گزرا "شراب نہیں ـــــ تم!"

اور پھر جوالا مکھی نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ یہ جاوا میں ماتاہری کا پہلا شکار تھا۔

اس کے بعد اونچے طبقے کے قدردان پروانہ وار اس پر نچھاور ہونے لگے۔ جاوا کا یہ بدیسی فتنہ رومانوں کا گہوارہ بن گیا اور لوگ رسوا ہونے لگے۔ ماتاہری رسوائیوں کے تانوں بانوں میں الجھ گئی لیکن

اس نے اس کی پروانہ کی۔ وہ ہر بدنامی و ہر رسوائی کا خیر مقدم کرتی۔ بلکہ بدناموں اور رسوائیوں پر اپنی شہرت کا ایوان کھڑا کرتی جاتی۔ اس نے جاوا کے رقص سے اپنی ہستی کو پُرفریب اور پُراسرار بنا لیا تھا۔

طبعاً وہ ایک خانہ بدوش حسینہ تھی۔ ہر رات نئی جگہ اور نئی فضاء میں بسر کرنے کے لیے بے قرار۔ اسی لیے تو گھریلو زندگی کا تقدس اس کے لیے بے معنی ثابت ہوا تھا اور وہ ہوا کا ایک تیز جھونکا بن کر اپنے شوہر کو روند گئی تھی ـــــ وہ ایک بگولا تھی، ایک آندھی تھی۔ جس کے ایک ہی جھکولے میں ازدواجی زندگی کا نازک رشتہ تار تار ہو کر رہ گیا۔

جاوا نے اس عورت کو ایک عجیب روپ دے دیا اور مشرق کی سان پر چڑھ کر وہ ایک کٹیلا خنجر بن گئی ـــــ اب یہ خانہ بدوش عورت جاوا اور جاوا کے شہزادوں کو حقیر سمجھنے لگی تھی۔

زندگی کی راہیں اس پر کھل چکی تھیں۔ وہ مشرقی رقص کے حربے سے لیس ہو کر قسمت آزمائی کے لیے نکل کھڑی ہوئی ۱۹۰۴ء میں پیرس پہنچی۔ اور اپنی لڑکی جین کو جواری مکلوڈ کے حوالے کر گئی۔ مغرب میں پہنچ کر اسے ماضی کی مار گریتھا زیل سے کوئی نسبت نہ رہی تھی، وہ واقعی ماتاہری بن چکی تھی۔ جس کے معنی ملایا کی زبان میں "دن کی آنکھ" ہوتے ہیں۔ کچھ دن وہ ماڈل گرل کے طور پر کام کرتی رہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پھر اس نے رقص کے مظاہرے شروع کر دیے۔ پہلے صرف چھوٹے چھوٹے تھیٹروں میں فن پیش کرتی رہی پھر شہرت کچھ کچھ بڑھی تو ایک بڑے ہوٹل کے مالک کو ہموار کر کے اس نے بڑے پیمانے پر جلوہ گری کا اہتمام کیا۔ وہ پرلے درجے کی فضول خرچ تھی اور خوب جانتی تھی کہ جب تک بڑے لوگوں سے آشنائی نہ ہوگی مالی مشکلات رفع نہ ہوں گی۔ ماڈل گرل کی حیثیت سے وہ جتنا کماتی اس سے کہیں زیادہ کی اسے طلب رہتی۔ ہوٹل کے منیجر نے اس کی خوب پبلسٹی کی۔ ہوٹل کو اچھی طرح آراستہ کیا۔ ہر طرف روشنیوں کے پھول کھلائے۔ شراب کے پیمانے قرینے سے سجائے ——— ایسے میں ماتا ہری اک شعلۂ مستانہ اور اک لبریز پیمانہ بن کر رونما ہوئی۔ اس کے بدن میں مشرق کی خوشبوئیں رچی ہوئی تھیں۔ سانسوں میں بجلیاں مچل رہی تھیں جن سے دلوں میں ایک آگ لگ گئی۔ ایک ہی رات میں وہ محبوبۂ پیرس بن گئی بڑے بڑے تاجر اور رئیس اس پر دولت کی بارش کرنے لگے۔

پیرس مرکزِ حسن بھی تھا اور بین الاقوامی شہرت کا شہر بھی اور ماتا ہری نے اپنے کو ایک کشش انگیز شخصیت بنا لیا تھا جو مشرقی رقص سے لوگوں کی جنسی خواہش کو ناقابلِ برداشت حد تک بڑھا دیتی لہٰذا آناً فاناً اس کے حسن کی لپک دور دور تک جانے لگی۔

اب اس کی جلو میں عشاق کا ایک ہجوم تھا اور وہ کسی بجلی کی طرح سراپا اضطراب بنی ہوئی تھی۔ شہر شہر گھومتی پھرتی جذباتی دیوانوں کی

جنسی طلب پوری کر کے بھاری بھاری رقوم وصول کرتی۔ طبعاً وہ فوجی افسروں پر رحم دیتی تھی اور ان کی صحبت سے بہت لطف اندوز ہوتی تھی ——— جنہیں وہ پسند کرتی ان سے کچھ وصول نہ کرتی۔

اپنے کو دل فریب، پراسرار اور قابلِ توجہ بنانے کے لیے اس نے بے شمار جھوٹی داستانیں گھڑ لی تھیں۔ جھوٹ اپنے طور پر ایک کارآمد حربہ ہوتا ہے اور جاسوسی کا پیشہ اختیار کرنے کے بعد تو اسے سچ سے کہیں زیادہ جھوٹ بولنے کی ضرورت پڑی۔ پہلی عالم گیر جنگ میں جب اس پر جاسوسی کرنے کا مقدمہ چلا تو اس نے اپنی تمام ذہانت جھوٹ بولنے پر صرف کر دی۔ یہ اور بات ہے کہ شواہد اتنے پختہ تھے کہ اس کی دال نہ گل سکی۔

ایک فاحشہ عورت کے روپ میں اس نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ پھر جب جنگ کے دوران اس نے جاسوسی کا پیشہ اختیار کیا تو اس کی ذات سے دوہرا خطرہ لاحق ہو گیا۔ اب چند آدمیوں کی انفرادی غارت گری سے کہیں زیادہ فوجوں کی غارت گری کا سوال تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس کی طبیعت جاسوسی پر مطلق مائل نہ تھی۔ لیکن حالات نے اسے طبیعت کے خلاف کام کرنے پر مجبور کر دیا۔ جنگ نے سخت افراتفری پھیلائی تھی۔ امنِ عالم کا نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ لوگوں کے جمے جمائے دھندے تلپٹ ہو گئے تھے۔ ماتا ہری ان دنوں برلن میں تھی۔ بڑے بڑے آدمیوں سے اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے تعلقات تھے۔ جن میں فوج اور خفیہ پولیس کے سربراہ تک شامل تھے۔ خود ماتا ہری کو جاسوسی کا خیال تک نہ تھا۔ لیکن مقامی حکام اس کے حسن، حسنِ تدبر، ذہانت اور ہوش مندی کو جاسوسی کے لیے نہایت اہم قرار دیتے تھے۔

جنگ شروع ہونے سے ایک دن قبل برلن پولیس کا سربراہ اسے لیے لیے پھر رہا تھا ——— یہ کہنا غلط ہوگا کہ وہ فقط اس کا عاشق تھا اور اسے آلۂ کار بنانے کی کوئی نیت نہ رکھتا تھا ——— اس ملاقات کو بڑی اہمیت دی گئی۔ ماتا ہری، جس کی ہر حرکت اس کے چاہنے والوں کے علم میں آجاتی، اس ملاقات سے خسارے میں رہی۔ مقدمے کے دوران اس ملاقات کو اس کے جاسوس ہونے پر محمول کیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ جنگ کی لائی ہوئی افراتفری سے وہ بھی محفوظ نہ رہی۔ اس کا سارا سامان خرد برد ہوگیا۔ اس میں بیش قیمت ملبوسات، زر و جواہر اور نہایت قیمتی آرائشی چیزیں بھی شامل تھیں۔ اس کی ساری پونجی ٹھکانے لگ گئی اور وہ بالکل قلاش ہوگئی۔ معلوم نہیں کہ اس کے سامان کا نقصان جنگ کی بدامنی کا نتیجہ تھا، کسی پیشہ ور کی کرشمہ سازی تھی یا خفیہ پولیس کی کارستانی۔ بہر حال ہنگامی حالات میں کچھ بھی یقین سے کہا نہیں جاسکتا۔ حکام نے اس کی پریشانی سے فائدہ اٹھایا اور اسے جرمنی کے لیے جاسوسی کرنے پر آمادہ کرلیا۔ اس سلسلے میں اسے متعدد قسم کے کام سونپے گئے۔ اتحادی فوجوں کی نقل و حمل سے جرمن حکام کو

مطلع کرنا، اتحادیوں کی خفیہ پیام رسانی کی کوڈ معلوم کرنا، ہر قسم کی جنگی منصوبہ بندی کی خبر گیری کے فرائض اس کے ذمے عاید کیے گئے۔ اس نے نیم دلی سے انہیں قبول کیا۔ اس طرح اس کی مالی پریشانیاں دور ہوگئیں برلن پولیس کے سربراہ نے اسے بھاری رقم ادا کی ——— ماتا ہری نے اس کی یہ توجیہ پیش کی کہ پولیس چیف نے اپنی محبوبہ کو گرہ سے روپیہ دینے کی بجائے سرکاری خزانے کو زیر بار کیا۔

جرمن شعبۂ سراغ رسانی نے اس کا خفیہ نام ایچ۔۲۱" رکھا تھا وہ اسی نام سے خط و کتابت کرتی رہی۔ ۱۹۱۶ء کو ین میں اسے جاسوسی کی تربیت بھی دی گئی اور وہ وہاں بھی ناچتی رہی ——— وہ ایک گھومنے پھرنے والی عورت تھی۔ ہر شخص اس کی مسکراہٹ پر قربان ہونے کو تیار ہو جاتا۔ اب اس نے انہی لوگوں سے ملنا جلنا شروع کیا جن سے جنگ کی نسبت کچھ معلومات فراہم ہوسکتیں۔

وہ ایک معروف عورت تھی اس لیے جنگ سے قبل بھی فرانس اور برطانیہ کے حکام اس کے اعمال و افعال سے آگاہ تھے اور فرانس میں تو اس کی جائیداد بھی تھی لہذا فرانسیسی سراغ رساں اس کی حرکات و سکنات سے غافل نہ رہے۔

فرضِ منصبی کی انجام دہی کے سلسلے میں وہ اپنے وطن ہالینڈ گئی جہاں سب سے پہلے ایک تمباکو والے کی دکان پر پہنچی۔ یہ دکان بہت بدنام تھی کیوں کہ جرمن جاسوس اسی کی معرفت خط و کتابت کرتے تھے اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ان کے خطوط کئی بار پکڑے بھی گئے لیکن ہالینڈ جنگ میں شریک نہ تھا اس لیے تمباکو والے کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی تاہم مخبروں نے ماتاہری کے رابطے کی اطلاع فرانسیسی حکام کو دے دی اور برطانوی حکام کو بھی۔

اب وہ ایک جاسوس تھی لیکن اس نے کبھی ایسی کوئی احتیاط نہ برتی جو ایک جاسوس کو برتنی چاہیے تھی کیوں کہ وہ طبعاً بے پروا تھی —— اسے یقین تھا کہ اس کے دولت مند اور رسوخ والے آشنا اسے ہر بلا سے بچالیں گے لہٰذا اس نے انہی پر اپنی جان کے تحفظ کا بار ڈال رکھا تھا اور اپنے وطن، اپنے گھر میں پہنچ کر تو وہ اور بھی بے پروا ہو گئی تھی۔

اس نے ایک رقاصہ کی حیثیت سے تو اپنے آپ کو پراسرار رکھا تھا لیکن ایک جاسوسہ بن کر کسی احتیاط کو ضروری نہ سمجھتی۔

انہی ایام میں جرمن حکام دشمن کے ایک خطرناک جاسوس کی تاک میں تھے جس کا خفیہ نام مسٹر جی تھا اور جس نے انہیں سخت نقصان پہنچایا تھا۔ جرمنوں کا کوئی راز، کوئی منصوبہ اس کے ہاتھوں محفوظ نہ تھا۔ یہ شخص غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل تھا اور بیک وقت کئی زبانیں روانی سے بول لیتا تھا۔ اس کا اصل نام کپتان ریلی تھا اور وہ بحریہ کے شعبۂ سراغ رسانی سے متعلق تھا۔ اس کا کمال یہ تھا کہ وہ جرمن جاسوسوں کا بہروپ بھرتا اور پھر انہی کو اغوا کر لیتا ماتاہری کو اس خطرناک جاسوس کو پھانسنے پر مامور کیا گیا۔ وہ پہلے ہی سے اسے جانتی تھی۔

اسے معلوم تھا کہ ایک زمانے میں وہ ہندوستانی فوج میں بھی رہ چکا تھا ماتاہری بھی ہندوستان کی سیر و سیاحت کر چکی تھی۔ متھرا، مہابن اور ہردوار جیسے مقامات کا تو اس نے مشاہدہ بھی کیا۔ وہ خود کو ہندو ظاہر کرتی۔ چناں چہ وہ کپتان ریلی سے اسی نسبت سے ملی لیکن کپتان ریلی اسے جاسوسہ سمجھتا رہا۔ اس منجھے ہوئے جاسوس کے مقابل ماتاہری کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی چناں چہ وہ اس کا بال بیکا نہ کر سکی۔ اس شخص کی جرأت کا یہ عالم تھا کہ وہ ماسکو پہنچ گیا۔ اور اس نے لینن اور ٹراٹسکی تک رسائی حاصل کر لی۔ پھر اس نے روس کے محکمۂ خارجہ میں جگہ پائی۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے چند دستاویزات چرائیں، پکڑا گیا اور روسی سپاہیوں کی گولیوں کا نشانہ بن گیا۔

ماتاہری ایک سال تک ہالینڈ میں رہی لیکن مسلسل مشکلات میں گھری رہی۔ خصوصیت کے ساتھ اس کو پیسے کی بڑی تنگی رہی۔ وہ ایک چاہنے والے کو چھوڑ کر دوسرے چاہنے والے کے پاس جاتی لیکن بات پھر بھی نہ بنتی۔ دشمنوں کو گمان گزرتا کہ وہ رابطے بڑھا رہی ہے اور جاسوسی کا جال پھیلا رہی ہے حالاں کہ اسے اپنی الجھنوں ہی سے فرصت نہیں تھی داستان طراز بلاوجہ اسے چوٹی کی جرمن جاسوسہ مشہور کر رہے تھے۔

اب وہ ادھیڑ عمر کی ہو گئی تھی، جاتی ہوئی جوانی گھوم گھوم کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور وہ اپنی آب و تاب برقرار رکھنے میں لگی ہوئی تھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کا بدن اب بھی جوالا مکھی تھا جس میں اس کے آشنا جل کر بھسم ہو جاتے اور وہ خود بھی اس میں جل کر بھسم ہونے پر تیار رہتی۔

درحقیقت وہ ایک عورت تھی، خالص عورت، بھرپور عورت، بزمِ عشاق کی رونق، انجمن آرائی کی جان۔ وہ اپنے چاہنے والوں کی شامیں اور صبحیں حسین بناتی۔ ان کی تنہائیوں میں جادو جگاتی ——— اور سچ تو یہ ہے کہ جو اسے آسائشوں کے دائرہ دل سے نکال کر جاسوسی کے غار میں جھونک رہے تھے وہ اس کی بربادی کا اہتمام کر رہے تھے۔ ویسے وہ کہہ سکتے تھے کہ وہ ایک فاحشہ عورت کو تباہ کر رہے ہیں جو شرفا کو بہکاتی بھٹکاتی ہے۔

ہالینڈ میں اس نے آفتیں تو جھیلیں پھر بھی ایک رئیس جس کا نام کیلین تھا اس کی سیمابی طبیعت اور ہرجائی پن کے باوجود اس پر بری طرح فریفتہ تھا۔ مالی دشواریوں کے زمانے میں وہی اس کے آڑے آتا رہا ——— ماتا ہری جہاں بھی رہی اور جب بھی اس نے مدد طلب کی اس عاشقِ صادق نے انکار نہیں کیا اور آخر دم تک اسے روپیہ بھیجتا رہا۔

جاسوسی کے معاملے میں ماتا ہری اتنی بُری نہیں تھی جتنی بدنام تھی۔ فرانس اور برطانیہ کی خفیہ پولیس کے محکمے اسے جرمنوں کی جاسوسہ تو سمجھتے لیکن یہ نہ جانتے تھے کہ وہ کیا کرتی پھرتی ہے۔ برطانیہ نے ۱۹۱۵ء ہی میں اس کا نام ناپسندیدہ افراد کی فہرست میں درج کر لیا۔ لیکن اس سے سلوک وہی کیا جو جاسوسوں سے کیا جاتا ہے۔ وہ فرانس گئی تو برطانیہ کے دفترِ خارجہ نے فرانسیسی خفیہ پولیس کے سربراہ کپتان لاروس کو بتایا کہ وہ جرمن جاسوسہ ہے۔ جب اس نے برطانیہ جانے کے لیے ویزا مانگا تو برطانوی سفارت خانے نے انکار کر دیا۔ کپتان لاروس کے لیے یہ باتیں خاصی پریشان کن تھیں۔ اس کے نزدیک ماتا ہری کی ذات مشکوک نہ تھی کیوں کہ وہ پیرس کی ایک نامور شخصیت بن چکی تھی اور اپنے حسن سے اونچے طبقے کے بام و در سے جگمگا رہی تھی۔ امرا و رؤسا کے لیے بھی وہ اجنبی نہ تھی۔ اس کے گرد عشاق کا ایک حصار کھنچ گیا تھا۔ یہ عشاق بارسوخ تھے اور حکومت کے لیے اس پر ہاتھ ڈالنا آسان نہ تھا۔

تاہم اس کی سرگرمیوں کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی جا رہی تھیں مگر اصل صورتِ حال سے خود اس کے سوا کوئی آگاہ نہ تھا۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ جنگ چھڑنے سے ایک روز قبل برلن پولیس کا سربراہ اسے شہر میں گھماتا پھرا اور اس نے اسے ایک بڑی رقم بھی دی۔ ہیگ میں جہاں آج کل عالمی عدالت ہے ماتا ہری کو جرمنی سفیر سے ملتے دیکھا گیا۔ اس نے جرمنوں کی رقم ہضم کر لی اور کام ایک دھیلے کا نہ کیا۔ بس اتنی ہے ساری کہانی جسے قریب قریب درست مانا جاتا ہے۔

جرمنی سے رخصت ہو کر وہ پیرس آئی ——— پیرس میں اسے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

روپے کی ضرورت پڑی تو وہ خفیہ پولیس کے سربراہ کپتان لاروس سے ملی اور اس نے اس سے نہایت بے تکلفی کے ساتھ کہہ دیا کہ وہ فرانس کے لیے جاسوسی کرنا چاہتی ہے اور اس خدمت کے لیے اس نے اس سے دس لاکھ فرانک کا مطالبہ کر دیا۔ فرانک اس زمانے کا چاندی کا سکہ تھا جس کی قیمت ڈالر کے پانچویں حصے (بیس سینٹ) کے لگ بھگ تھی۔ اس پر کپتان لاروس چونک پڑا ——— اتنی بڑی رقم کا سن کر وہ دنگ رہ گیا۔ اور اس نے کہا، "مادام دس لاکھ فرانک! یہ تو بہت زیادہ ہیں۔"

"کچھ زیادہ نہیں ہیں میں اپنے کام کا اتنا ہی معاوضہ لیا کرتی ہوں۔"

پھر ماتا ہری نے راز کی بات بتائی کہ وہ اپنے روسی عاشق ماسلوف سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ ماسلوف سب کچھ کھو چکا ہے۔ اگلے سانس میں اس نے بڑے اعتماد سے کہا، "جرمن ہائی کمان کے اعلیٰ حکام میرے آشنا ہیں۔ ان میں رہ کر میں فرانس کے لیے جو کام کر سکتی ہوں اس کا معاوضہ دس لاکھ فرانک سے کم کیا ہو سکتا ہے۔"

کپتان لاروس ایک سوچ میں پڑ گیا۔

"دس لاکھ فرانک"

اس موقع پر بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

ماتا ہری کو پیسے کی ایسی بھی کیا ضرورت پڑ گئی تھی کہ وہ لاروس جیسے خطرناک آدمی کے پاس پہنچ گئی جو ملک کی سالمیت کے ضمن میں خفیہ امور

سے تعلق رکھتا تھا اور جسے ہر وقت سراغ رسانوں سے سروکار تھا۔

پھر ماتا ہری کی فرانس میں جائیداد بھی تھی اور اس کے چاہنے والوں کی بھی چنداں کمی نہ تھی۔ یہ درست ہے کہ بڑھاپا آ رہا تھا لیکن ابھی جوالا مکھی کے شعلے ٹھنڈے نہیں پڑے تھے۔ ابھی وہ قتالۂ روزگار تھی۔ محفل میں جاتی تو شراب کا لبریز پیمانہ بن جاتی اور لوگ دیوانہ وار پیار کی چتا میں جلنے جھلسنے کو تیار ہو جاتے وہ ایک پیدائشی فن کار بھی تھی۔ بڑی ہوش مند، بڑی چالاک، بڑی مکار فاحشہ عورت۔ اس کے پاس دو بہت بڑے حربے تھے ——— حسن جو اسے قدرت نے دیا تھا، رقص جو اس نے خود سیکھا تھا۔ ان دو حربوں سے جسے چاہتی چت کر لیتی اور یہ زندگی اسے راس بھی آئی تھی۔ اس سے اس کی جنسی اور مالی طلب پوری ہوتی تھی۔ اس زندگی میں سہولت بھی تھی، لذت بھی، قدر و منزلت بھی تھی، شہرت بھی۔ پھر وہ کیوں اپنی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی تھی اور اس نے جاسوسی کا پیشہ کیوں اختیار کیا تھا اس پیشے میں الجھنیں ہی الجھنیں تھیں۔ خطرے ہی خطرے تھے۔ اور پیشہ اعصاب شکن بھی تھا۔ اور طبعاً بھی وہ اس کے لیے ناموزوں تھی ——— جرمنوں نے اسے جاسوسی کا کام سونپا تھا اور وہ اس میں ناکام رہی تھی تو اب کس برتے پر یہ کام کرنا چاہتی تھی۔

بعض سر پھروں اور حقیقت ناشناسوں کا خیال ہے کہ ماتا ہری زندہ ہے اور کسی جزیرے میں گمنام زندگی بسر کر رہی ہے لیکن اگر وہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سچ مچ زندہ ہوتی تو کبھی کسی جزیرے میں گم نامی کی زندگی بسر نہ کر سکتی ۔ اسے کل نہ پڑتی ؛ اور کچھ بن نہ پڑتا تو اپنی آپ بیتی ہی لکھتی ، لاکھوں روپے کماتی اور دنیا کو بتاتی کہ وہ کپتان لارڈس سے کیوں ملی ، کیوں اس نے خود کو جاسوسی کے پھندے میں الجھایا ۔

دراصل ماتا ہری نہایت بے پروا عورت تھی ۔ وہ زندگی کے ہر کام کو معمولی خیال کرتی ۔ جاسوسی کے خارزار میں بھی اس نے سنجیدگی سے پاؤں نہ دھرا تھا چناں چہ وہ اس کے خطرات اور مہلک مطالبات سے نا آشنا رہی ۔ اس کا اصل رجحان عشرت کدوں کو سلگانا اور مردوں کے جذبات میں بجلیاں بکھیرنا تھا ۔ وہ سمجھتی تھی کہ جاسوسہ اپنے کام کی من مانی قیمت وصول کر سکتی ہے ـــــــ جاسوسی میں معاوضے کی شرح بہت اچھی ملتی ہے ۔

درحقیقت اسے جاسوسی کے پیشے سے کہیں زیادہ پیسے سے لگاؤ تھا ۔ وہ سمجھتی تھی کہ جاسوسی کے بہانے اگر اسے بڑی بڑی رقمیں مل جائیں تو کیا مضائقہ ہے ۔ اس کو وہ بالائی آمدنی خیال کرتی تھی ۔

اس کا اصل پیشہ تو وہی تھا جو ایک رنڈی کا ہوتا ہے ۔ مگر ماتا ہری عام رنڈیوں جیسی نہ تھی ۔ اس نے دنیا کے مختلف حصوں میں اپنے عاشقوں کا بہت بڑا گروہ پیدا کر لیا تھا ۔ اس گروہ میں بڑے بڑے فوجی افسر ، سرکاری حکام ، تاجر ، صنعت کار ، امراء ، وزراء شامل تھے اس کے گرد ہر وقت ایسے لوگوں کا ہجوم رہتا جو افواج اور حکومت کے

اہم راز اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے تھے ۔ پھر جب رقص کا شعلہ بھڑکتا ، ماتا ہری شراب کے سلگتے ہوئے پیمانوں میں کیف و مستی کا زہر گھولتی ، چاہنے والوں کے دلوں میں چنگاریاں اڑانے لگتی تو بڑے سے بڑا آدمی بڑے سے بڑا راز بلا تامل اگل دیتا ۔ نشے کی حالت میں بڑے بڑے منصوبے طشت از بام ہو جاتے اور ماتا ہری کو کاوش کے بغیر بڑے بڑے راز معلوم ہو جاتے ۔ اسے معلوم ہو گیا کہ یہ راز مہنگے داموں فروخت ہو سکتے ہیں چنانچہ اس نے انہیں ضائع کرنے کے بجائے منہ مانگے مول بیچنے کا تہیہ کیا ۔ اسے اپنے عاشقوں کی ذات پر بھروسہ تھا ۔ اور حقیقتاً وہ عام جاسوسوں کی طرح غیر محفوظ نہ تھی ۔ اس کے عشاق اسے قانون کی دستبرد سے بچا سکتے تھے ۔ وہ اپنے عشاق کے بل پہ اکڑتی تھی اور کسی سے نہ ڈرتی تھی ۔ اور اس کا یہ اعتماد آخر دم تک قائم رہا ۔

کپتان لارڈس سے اس نے دس لاکھ فرانک طلب کیے اور فرانس کو دشمن کی چالوں سے خبردار کرنے کی حامی بھری ۔

لارڈس اس کے کسی کارنامے سے آگاہ نہ تھا تاہم اس کی رائے میں وہ اعلیٰ پائے کی جاسوسہ بن سکتی تھی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ

"ماتا ہری کو کیا پڑی ہے کہ وہ فرانس کے لیے جاسوسی کرے ؟"

"جاسوسی کے لیے حب الوطنی شرطِ اول ہے ۔"

"ماتا ہری فرانس کی وفادار کیوں کر ہو سکتی ہے ؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ تین سوال لاروس کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ گئے۔ اس نے طے کیا کہ وہ ماتا ہری کو آزمائے گا۔

ماتا ہری جیسا ہوشیار، مکار اور حاضر جواب کون ہو سکتا تھا؟ محفل طرازی میں تو وہ یکتا تھی، ہر سوال کا بلا تامل جواب دے سکتی اور وہ بھی ایسا ترشا ہوا جیسے نگینہ۔ جب اس سے فرانس کی وفاداری کا ثبوت طلب کیا گیا اور دس لاکھ فرانک اس کی آنکھوں کے سامنے چمکنے لگے تو اس نے بلا تامل جواب دیا:

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ جرمن جاسوس، تخریب کار الجزائریوں کو حکومت فرانس کے خلاف بھڑکا رہے ہیں اور انہیں بغاوت پر آمادہ کرنے کے لیے اسلحہ مہیا کر رہے ہیں؟"

"ہمیں معلوم ہے۔"

"اور یہ بھی معلوم ہے کہ جرمن حکام الجزائر میں گڑبڑ پیدا کر کے حکومتِ فرانس کے لیے مشکلات کھڑی کر رہے ہیں؟"

"یہ بھی معلوم ہے۔"

"اور یہ بھی معلوم ہے کہ الجزائر میں گڑبڑ پیدا ہونے سے فرانس کی وہ فوج جو جرمنوں کے خلاف محاذِ جنگ پر نہیں لائی جا سکتی جو بغاوت سے نمٹنے کے لیے وہاں مقیم ہے؟"

"مادام! ہمیں یہ بھی معلوم ہے۔"

"اور یہ بھی معلوم ہے کہ جرمن کس راستے اور کس ذریعے سے الجزائر

میں اسلحہ پہنچا رہے ہیں؟"

یہ لاروس اور اس کے ساتھیوں کو قطعاً معلوم نہ تھا۔ وہ اس کے لیے سخت پریشان تھے اور بڑی بے تابی سے جاننا چاہتے تھے کہ الجزائر کے حریت پسند کیسے اور کہاں سے اسلحہ لیتے ہیں۔ انہیں ماتا ہری کے آخری سوال کے جواب سے بے حد دلچسپی تھی۔ ان کے پاس اس کا جواب نہیں تھا جس کے مقابل دس لاکھ فرانک بہت حقیر تھے۔

کپتان لاروس نے کہا: "مادام! اگر آپ اس سوال کا صحیح جواب دیں تو ہم آپ کی وفاداری کے قائل ہو جائیں گے۔"

ماتا ہری مسکرائی اور بل کھاتی ہوئی کمرے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گئی، پھر لہراتی، بدن کے لوچ سے ہوا میں خوب صورت دائرے بناتی ہوئی اپنی جگہ پر آ گئی اور بولی "کپتان لاروس! ماتا ہری ایک عظیم رقاصہ بھی ہے، ایک عظیم عورت بھی اور عظیم جاسوسہ بھی۔ اس کا جواب رقص کے ہر قدم کی طرح صحیح اور درست ہو گا۔ مہدیہ کی بندرگاہ کو گھیرے میں لے لیں اسی مقام پر جرمن آبدوزیں اسلحہ لے کر آئیں گی اور پھر آگے جائیں گی۔"

آزمائش کے لیے یہ اطلاع کافی تھی۔ ماتا ہری خالی ہاتھ رخصت ہوئی۔

فرانسیسیوں نے مہدیہ کی بندرگاہ پر پہرا بٹھا دیا۔ چند دن کے بعد واقعی جرمن آبدوزیں اسلحہ لیے وہاں آئیں جنہیں فرانسیسیوں نے ڈبو دیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کے فوراً بعد ماتا ہری کو بلایا گیا جس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ وہ اپنی کامیابی پر مسرور تھی۔ جرمنوں سے غداری کر کے وہ فرانسیسیوں سے وفا کر رہی تھی لیکن لاروس اور دوسرے حکام اب بھی مطمئن نہ تھے۔ وہ ماتا ہری کو شک و شبہ سے بالاتر نہ سمجھتے۔ ویسے برطانیہ کے محکمۂ سراغ رسانی نے اطلاع دی تھی کہ یہ حرافہ، چالاک رقاصہ جرمن جاسوسہ تھی، مزید آزمائش ضروری تھی۔

ماتا ہری نے بتایا کہ اسے بروسیلز (بلجیم) سے رقص کی دعوت ملی ہے۔ وہ اپنے ولیس ہالینڈ سے ہو کر بروسیلز چلی جائے گی اور وہاں کے لیے کام کرے گی۔ کام یہ ہوگا کہ بلجیم میں فرانس کے جاسوسوں سے رابطہ پیدا کرے اور انہیں حکومتِ فرانس کی ہدایات دے۔

فرانسیسی حکام اس کی تجویز مان گئے اور اسے دس لاکھ فرانک دے دیے گئے۔ چھ جاسوسوں کی ایک فہرست اس کے حوالے کی گئی اور چند ضروری دستاویزیں بھی ان تک پہنچانے کے لیے دے دی گئیں۔ ماتا ہری سب کچھ لے کر چلی گئی۔

اب یہ نازک اندام، شوخ حسینہ اپنے لیے پھولوں کی سیج پر کانٹے بکھیر رہی تھی ——— بیسویں صدی کی یہ حرافہ اگر حسن و عشق کی وادی میں مہکتی چہکتی رہتی، رومان جگاتی رہتی تو بہت غنیمت تھا اس کے چاہنے والے اس سے زائد کی توقع بھی نہ رکھتے۔ ان کے لیے تو وہ صرف صبح کا اجالا، دوپہر کا سورج اور رات کی چاندنی تھی۔ وہ کب چاہتے

تھے کہ ان کی محبوبۂ دل نواز جاسوسی کے خارزار میں جسم اور روح دونوں کو زخمی کرتی پھرے۔

بہرحال ماتا ہری نے جاسوسی کا کام صدق دل سے نہ کیا ورنہ وہ جان نہ گنواتی۔

اس نے فرانسیسی حکام سے طے کیا تھا کہ وہ پہلے اپنے وطن ہالینڈ جائے گی چند دن وہاں رہے گی پھر بلجیم چلی جائے گی۔ مگر اس کی نیت کچھ اور تھی۔ وہ بلجیم جانے کا قطعی کوئی ارادہ نہ رکھتی تھی۔ لاروس نے اس کو جن چھ جاسوسوں کی فہرست دی تھی ان میں پانچ جاسوس فرانس اور جرمنی دونوں کے لیے جاسوسی کرتے تھے البتہ ایک جاسوس صرف فرانس کا تھا۔ اس نے فہرست اور متعلقہ دستاویزوں کو صیغۂ راز میں رکھنے کی کوشش نہ کی۔ سارے کاغذ بے احتیاطی سے بلجیم ارسال کر دیے۔ ماتا ہری کا بھیجا ہوا یہ قیمتی لفافہ جرمنوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ انہیں اہم معلومات بھی ملیں اور فرانس کے جاسوس کا علم بھی ہو گیا۔ یہ جاسوس بڑا خطرناک تھا۔ اس نے جرمن سراغ رسانوں کو سخت پریشان کر رکھا تھا۔ جرمنوں نے اسے ہلاک کر دیا۔ جب کپتان لاروس اور دوسرے حکام کو اپنے جاسوس کی ہلاکت کا علم ہوا تو وہ سر پیٹ کر رہ گئے۔ پھر جب یہ بھید کھلا کہ یہ سب ماتا ہری کی کارستانی ہے تو انہیں اور بھی صدمہ پہنچا۔

ہالینڈ جانے کے لیے اسے آبنائے انگلستان کے بحری جہازوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے حصار سے گذرنا تھا۔ وہ جس جہاز میں سوار ہوئی اس میں فال مادتھ کی بندرگاہ پر کچھ برطانوی جاسوس بھی سوار ہوئے۔ ان کے پاس دشمن کے جاسوسوں کی فہرست تھی۔ اس میں ماتا ہری کا نام بھی شامل تھا، لیکن یہاں معاملہ ہی دوسرا تھا۔ یہ برطانوی جاسوس ماتا ہری سے صورت آشنا نہیں تھے۔ ادھر ماتا ہری کے پاس پورٹ پر یہ نام درج تھا:

"مارگریتھا جیئر ٹروئیڈا میکلوڈ زیل"

اس میں ماتا ہری کے شوہر کا نام سمویا ہوا تھا حالاں کہ وہ اسے چھوڑ چکی تھی۔ برطانوی جاسوس اسے ایک خطرناک جرمن جاسوسہ کلارا ہینڈکس سمجھ بیٹھے اور اسے لندن لے آئے جہاں کی پولیس اس کو پہچانتی تھی اور اس کے اعمال نامے سے بھی واقف تھی۔

یہ درست ہے کہ اسے آبنائے انگلستان سے گزرنا تھا لیکن وہ لندن آنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتی تھی۔ بہرحال لائی گئی تو اس نے کسی قسم کی پریشانی کو پاس نہ پھٹکنے دیا۔ وہ تاڑ گئی کہ سر بیسل طامسن سے مڈبھیڑ ہوگی۔ لہٰذا وہ ذہنی طور پر اس ملاقات کے لیے تیار ہوگئی۔

اس سلسلے میں ایک عجیب بات یہ قابل ذکر ہے کہ وہ جس بستی میں قدم رکھتی وہاں کے عشرت پسند امراء ورؤسا اس کے لیے آنکھیں فرشِ راہ کر دیتے اور شعبۂ سراغ رسانی میں صفِ ماتم بچھ جاتی۔ پھر جب وہ کوئی بستی چھوڑ کر جاتی تو ہجوم عاشقاں سوگ مناتا اور شعبۂ سراغ رسانی کو یک گونہ اطمینان نصیب ہوتا۔ وہ اگرچہ کوئی بہت بڑی جاسوسہ نہ

تھی پھر بھی لندن پولیس کو اس کے لیے کافی پریشانی اٹھانا پڑی۔ یہاں کا شعبۂ سراغ رسانی فرانس کے شعبۂ سراغ رسانی سے کہیں زیادہ ہوشیار چالاک اور محتاط تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ماتا ہری جرمن جاسوسہ ہے۔ برلن پولیس کے سربراہ سے اس کے ذاتی تعلقات ہیں، وہ اسے دس لاکھ فرانک بھی دے چکا ہے۔ اس لیے لندن کی خفیہ پولیس بہت پہلے پیرس میں کپتان لاروس کو متنبہ کر چکی تھی کہ ماتا ہری کے بھانسے میں نہ آئے۔

ماتا ہری ایک بار پہلے بھی لندن آئی تھی۔ شعبۂ سراغ رسانی کے سربراہ سر بیسل طامسن نے اس سے پوچھ گچھ بھی کی تھی۔ ادھر پوچھ گچھ ہو رہی تھی اور اُدھر ہوٹل کے جس کمرے میں وہ ٹھہری ہوئی تھی اس کے سامان کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ اس تلاشی کا نتیجہ صفر نکلا۔ وجہ ظاہر ہے کہ اس نے صدقِ دل سے جاسوسی کا پیشہ قبول ہی نہیں کیا۔

آخر اسکاٹ لینڈ یارڈ کے سربراہ نے اسے صاف صاف جتا دیا کہ وہ جرمن جاسوسہ ہے جرمن حکام سے اس کے مراسم ہیں ان سے اس کی خط و کتابت ہے اور انہیں اتحادی طاقتوں کے بارے میں جنگ کی خبریں بھیجتی ہے۔ جواباً اس نے تسلیم کیا کہ جرمن حکام سے اس کی دوستی اور خط و کتابت ہے لیکن اس بات سے اس نے قطعی انکار کیا کہ وہ مخبری بھی کرتی ہے۔

"میں صرف دوستی کرتی ہوں۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ مخبری کروں"

یہ درست ہے کہ ماتا ہری غیر معمولی طور پر ذہین تھی۔ ہر حالت میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنے حواس بجا رکھتی اور ہر سوال کا جواب اسی وقت دیتی اور وہ بھی پورے اعتماد کے ساتھ۔ لیکن سر بیسل طامسن جیسے گھاگ کو وہ فریب نہ دے سکتی تھی۔ وہ یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ ماتا ہری صرف دوستی کی خاطر جرمن حکام سے ملتی ہے جو سراغ رسانی کے شعبے سے تعلق رکھتے ہیں، دوستی کے لیے اور لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ آخر اس کو ماننا پڑا کہ وہ جرمنی کی تنخواہ دار جاسوسہ ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے وعدہ کیا کہ آیندہ جاسوسی نہیں کرے گی۔ سر طامسن نے اس سے کہہ دیا تھا کہ آیندہ فرانس، برطانیہ اور جرمنی میں سے کسی ملک کا رخ نہ کرے ورنہ اس کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔

سر بیسل طامسن سے اس نے ایک عہد کر لیا تھا مگر لندن سے روانہ ہونے کے بعد اس نے رتی بھر اس کی پروا نہ کی۔ وہ کبھی کسی کے احکام کی پابند نہ ہوئی تو اس حکم کی پابند کیوں ہوتی۔ اسے اپنی شہرت، اپنے رسوخ، اپنے صاحب اقتدار قدر دانوں پر بھروسہ تھا۔ اسی بھروسے پر وہ کسی حاکم اور کسی کے قانون کو خاطر میں نہ لاتی۔

سر بیسل طامسن نے فرانس کے شعبۂ سراغ رسانی کو مطلع کر دیا تھا کہ ماتا ہری خطرناک جاسوسہ ہے، اس سے خبردار رہنے کی ضرورت ہے علاوہ ازیں ہالینڈ، فرانس اور جرمنی میں اپنے آدمیوں کو اس نے متنبہ کر دیا۔ وہ ہالینڈ کی رہنے والی تھی، فرانس میں اس کی جائیداد تھی اور علاوہ جرمنی کے لیے جاسوسی کر رہی تھی۔ کتنا تضاد تھا اس کے

حالات میں۔

کپتان لاروس نے اسکاٹ لینڈ یارڈ کی بات پر کان نہ دھرے اسے بھرتی کر لیا، بلجیم میں کام کرنے والے چھ فرانسیسی جاسوسوں کی فہرست اسے دی اور ضروری دستاویزیں بھی۔ اسی بنا پر اسے وعدہ شکنی کرنے اور دوبارہ انگلستان آنے کی جرأت ہوئی۔

برطانیہ کے شعبۂ سراغ رسانی کو اس کی دوبارہ آمد پر حیرت ہوئی اسے پھر طلب کیا گیا اور ایفائے عہد نہ کرنے کا سبب پوچھا گیا۔ اب اس کی نسبت یہ رائے اور بھی پختہ ہو چکی تھی کہ مکار عورت واقعی جرمن جاسوسہ ہے کیوں کہ پہلی بار تائب ہونے اور لندن سے جانے کے بعد جب وہ آمسٹرڈم (شمالی ہالینڈ) پہنچی تھی تو وہاں کے برطانوی جاسوسوں نے لندن اور پیرس کو مطلع کیا تھا کہ ماتا ہری نے آتے ہی تمباکو فروش سے رابطہ قائم کیا ہے جس کی دکان جرمن جاسوسوں کا اڈہ ہے۔

اس نے اپنی دوبارہ آمد کے بارے میں سر بیسل طامسن سے کہا، "میں اپنی مرضی سے نہیں آئی۔ میں بھیجی گئی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"مجھے کپتان لاروس نے دشمن کی جاسوسی کا کام سونپا ہے۔"

"دشمن کی جاسوسی کا کام سونپا ہے۔ یہ جھوٹ ہے، سراسر جھوٹ۔"

ماتا ہری نے بڑی نزاکت سے سر جھٹکا —— بالوں کی لٹیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لہرا کر چہرے پر آگئیں جنہیں اس نے لانبی لانبی انگلیوں سے ایک جانب سرکا لیا۔ اس نے مسکرا کر کہا "ہو سکتا ہے کہ کپتان لارڈس جھوٹا ہو لیکن مجھے جھوٹ سے کوئی سروکار نہیں۔"

سر طامسن سخت چڑ گیا۔ اسے ماتا ہری کی کوئی ادا نہ بھائی مگر وہ مسکرائے جا رہی تھی۔ بدن کے پیچ و خم سے وہی جادو جگانا چاہتی تھی جو جوانی کا خاصہ تھا۔ جوانی اب کہاں، اب تو فریبِ جوانی تھا لیکن اس کے اعتماد کی آنچ دھیمی نہ پڑی تھی۔ وہ اپنے مدِ مقابل کو مبہوت کرنا چاہتی لیکن مدِ مقابل اسے گھسے پٹے ہوئے مہرے سے زیادہ نہ سمجھتا۔

اس پر ماتا ہری کی رعنائیوں اور عشوہ طرازیوں سے کہیں زیادہ فرض کا بھوت سوار تھا۔ وہ حیران تھا کہ خبردار کرنے کے باوجود کپتان لارڈس اس جرمن جاسوسہ کے چکمے میں کیوں آگیا۔

اسے ماتا ہری کی ذہانت اور فراست کا علم تھا۔ پھر جب وہ اس ذہانت اور فراست میں اپنے حُسن کی شوخیاں شامل کرتی خطرناک ساحرہ بن جاتی جس کا وار ہر کوئی نہ روک سکتا تھا۔

وہ اگرچہ ادھیڑ عمر کی ہو چکی تھی تاہم اب بھی اس دراز قامت عورت میں تمکنت تھی، وقار تھا۔ اس کی آنکھیں سیاہ چمکیلی اور نشہ آور تھیں۔ وہ حلیم الطبع اور ذی شعور تھی۔ بات کو بہت جلد سمجھ لیتی اور اس کی تہہ تک پہنچ جاتی۔

سر طامسن نے حقیقتِ حال جاننے کے لیے فوراً کپتان لارڈس سے

رابطہ قائم کیا اور ماتا ہری کے بیان کی تصدیق چاہی۔ کپتان لارڈس نے سخت خفت محسوس کی کیوں کہ سر طامسن بہت پہلے اسے سب کچھ بتا چکا تھا اور لارڈس نے اس انتباہ کو نظر انداز کر دیا تھا۔

اسے اس بات پر بھی رنج تھا کہ ماتا ہری اسکاٹ لینڈ یارڈ میں پہنچ گئی لہٰذا کپتان لارڈس صاف مکر گیا۔ اس نے سر طامسن سے کہہ دیا کہ ماتا ہری سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اسے فرانس کی جانب سے جاسوس مقرر نہیں کیا گیا۔

اس پوچھ گچھ کو کپتان لارڈس نے اپنی توہین قرار دیا اور راز فاش ہو جانے پر اسے سخت برہمی ہوئی۔ وہ ماتا ہری کا دشمن ہو گیا اور جوں جوں اسے ماتا ہری کی کرتوتوں کا علم ہوتا گیا اس کی دشمنی بڑھتی گئی پھر جب بلجیم میں فرانسیسی جاسوس کی ہلاکت کا علم ہوا تو وہ ہاتھ دھو کر ماتا ہری کی جان کے پیچھے پڑ گیا —— ماتا ہری کو اس کی دشمنی بڑی مہنگی ثابت ہوئی۔

سر طامسن نے کپتان لارڈس کا جواب سن کر ماتا ہری کو جھوٹا تو سمجھ لیا لیکن وہ اس کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی نہ کر سکا ادھر پوچھ گچھ کے سلسلے میں ماتا ہری جتنے دن لندن میں رہی برابر شہر کا مطالعہ کرتی اور جائزہ لیتی رہی۔ اس نے معلوم کیا کہ جرمن کے ہوائی حملوں کا کیا اثر پڑتا ہے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے کیا کیا تدبیریں کی گئی ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پوچھ گچھ ختم ہوئی تو اسے لندن سے رخصت ہونے اور اپنا سفر جاری رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ وہ وطن جانے کے لیے سخت بے تاب تھی جہاں کا آسمان کرنوں کے پھول برساتا تھا، فضائیں خوشبوئیں دیتیں، زمین اس کے قدم چومتی اور جہاں کی بہاریں اسے پکار رہی تھیں۔ اب وہ وطن جس سے دور رہ کر بہت اداس ہو رہی تھی رہ رہ کر یاد آ رہا تھا۔ آخر وہ ہالینڈ جانے کے لیے ایک جہاز پر سوار ہو گئی۔

وہ جس قدر بیکل تھی، سفر اسی قدر صبر آزما ثابت ہوا۔ پہلے تو وہ سمجھی کہ جنگ کے باعث آبدوز کشتیوں کا خطرہ لاحق ہے، جہاز ان سے بچ کر چل رہا ہوگا اور یوں تاخیر ہو رہی ہوگی لیکن جب اس کے اندازے سے کہیں زیادہ وقت صرف ہوا اور منزل کا سراغ نہ ملا تو اس نے جہاز ران سے پوچھا "جہاز کب تک ہالینڈ کے ساحل پر لنگر انداز ہو جائے گا؟"

اس پر جہاز ران نے ایک زور کا قہقہہ لگایا اور ماتا ہری کی پریشانی کا خیال کیے بغیر کہنے لگا "مادام! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"مجھے بہت جلدی ہے۔ یہ جہاز کب تک ہالینڈ پہنچے گا؟"

"قیامت تک نہیں۔"

"تو کیا سمندری میں گھومتا پھرے گا یا لندن لوٹ جائے گا؟"

"نہ سمندر میں گھومتا پھرے گا نہ لندن جائے گا۔"

"پھر کہاں جائے گا؟"

"ہسپانیہ!"

ہسپانیہ کا نام سنتے ہی کانچ محل ریزہ ریزہ ہو گیا۔ خوابوں کے جزیرے ریگ زار بن گئے۔ وہ تو اپنے وطن کی چھاؤں میں ٹہل رہی تھی اور یہاں جہنم سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ سر بسیل طامسن اور تو کچھ نہ کر سکا مگر اس نے ماتا ہری کو ہالینڈ جانے سے روک لیا۔ ماتا ہری کبھی اتنی بددل اور مایوس نہ ہوئی تھی جتنی اس خبر پر ——— اس کی تو کمر ہی ٹوٹ گئی۔ وہ نیچے فرش پر بیٹھ گئی۔ اور جہاز ران کی آواز اس کے کان میں گونجتی رہی ——— اور وہ دل ہی دل میں سوال پہ سوال کرنے لگی:

"کیا ہالینڈ کبھی نہ آئے گا؟"

"میں کبھی اپنے وطن کی صورت نہ دیکھ سکوں گی؟"

"مجھے کس الجھن میں پھانسا گیا ہے؟"

جہاز چلتا رہا اور ہسپانیہ پہنچ گیا۔ وہ میڈرڈ چلی گئی۔ یہ شہر جاسوسوں کے لیے کانٹوں کا جال تھا۔ ساری دنیا کے جاسوس یہاں مارے مارے پھر رہے تھے۔ ماتا ہری ایک انفرادی شخصیت رکھتی تھی لہٰذا وہ اپنی راہ الگ بنانے کی سوچنے لگی۔

ہمیشہ کی طرح اس کا سب سے پہلا مسئلہ پیسہ تھا اور اس کے لیے ہر جگہ پردیس تھی۔ خود اپنے وطن ہالینڈ میں بھی پردیسی ہوتی لیکن

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہاں اس کی جان پہچان والے تو موجود تھے۔ ہسپانیہ میں اس کو نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنا تھا۔ جوانی میں یہ کام بہت سہل تھا۔ اس وقت اس کی رعنائیاں، شوخیاں ایک آن میں آشناؤں کے دلوں میں شعلے بکھیر دیتیں۔ اب یہ کام قدرے زحمت طلب ہو گیا تھا۔ پھر بھی وہ ہمت نہ ہاری۔ اب بھی اس کا جسم ایک سونے کی کان تھی جس کی حفاظت میں وہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتی۔

یہ درست ہے کہ اب اس میں پہلی سی دل فریبی نہ رہی تھی۔ جوانی اور ادھیڑ عمر کا فرق چھپائے نہیں چھپتا۔ تاہم حسن و جمال کی کمی اس نے پختہ شعور، تجربہ کاری اور خود اعتمادی سے پوری کی۔ پہلے اس کی جلوہ سامانیاں تباہ کن تھیں، اب اس کی فراست جان لیوا تھی۔ وہ اب بھی لوگوں کے دلوں میں دراڑیں ڈال دیتی تھی۔

بیڈ روم میں وہ اپنے ساتھ تازہ الجھنیں اور تازہ مسائل لے کر آتی تھی۔ کام کا میدان بھی نہ کشادہ رہا تھا نہ صاف ——— اب وہ واقعی خطرات میں گھری ہوئی تھی۔

- اس نے کپتان لاروس کا غضب مول لے کر کچھ اچھا نہیں کیا تھا۔ کپتان پیرس میں اس کی تباہی کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ اخبارات کو اس کے خلاف گندگی اچھالنے پر اکسا رہا تھا۔ فرانسیسی اخبارات اس میں دلچسپی لے رہے تھے اور اس کے خلاف رپورٹیں چھاپ رہے تھے ———

کبھی کبھی تو ماتا ہری واقعی بڑی مظلوم نظر آتی۔ اس نے فرانس کا کیا بگاڑا تھا جو وہ اس کی زندگی کا سب سے ہولناک خطرہ بن گیا تھا۔ اگر ماتا ہری نے جرمنوں کو اطلاع دے کر فرانس کا ایک جاسوس مروایا تھا تو جرمنوں کی دو آبدوزیں بھی تو تباہ کروادی تھیں۔

- برطانوی حکام اور سراغ رساں شروع ہی سے اسے ایک خطرناک عورت خیال کرتے تھے حالاں کہ انہیں کبھی اس کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملا۔

ماتا ہری سخت بے پروا تھی۔ وہ کپتان لاروس اور سر بیسل طامسن کو کبھی خاطر میں نہیں لائی اور وہ تو کیا اس نے کسی بھی پردا نہ کی حقیقت سے اس کا یہی فرار، یہی حقیقت ناشناسی ہی اسے تباہ کر گئی۔ اب بھی اگر وہ حالات کا سنجیدگی سے جائزہ لیتی، بے نیازی کے مرض کہن کا علاج کرتی تو معاملات سدھار سکتی تھی۔ کچھ نہ کرنے پر بھی کپتان لاروس اس سے چڑ گیا تھا اور سر بیسل طامس بھی ——— نجی ضرورت کے لیے بھی اگر وہ دشمن سے ملتی تو دونوں کی نفرت اور برہمی میں بہت اضافہ ہو جاتا۔

ایک بار پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ پیرس اور لندن میں اس کے خلاف جو مواد پک رہا تھا اسے اس نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ وہ زندگی کے صرف ایک رخ کو دیکھتی تھی جو شعلہ رو، ذخیرہ کن

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور امید افزا تھا۔ دوسرا رخ جواب اس سے کہیں زیادہ اہم ہو گیا تھا اس کی آنکھوں سے اوجھل رہا۔

ان دنوں اس کے ذہن پر بہت بڑا بوجھ تھا۔ پھر بھی میڈرڈ میں آکر اس نے پر پرزے نکالے۔ پلیس ہوٹل میں کمرہ لیا اور خود کو برطانوی رقاصہ لیڈی میکلوڈ ظاہر کیا اور اس روپ میں اس نے مالی مشکلات دور کرنے اور زندگی کی راہیں ہموار کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

کاش وہ صرف رقاصہ ہی بنی رہتی اور جسم فروشی کا دھندا ہی اختیار کرتی تو مشکل آسان ہو جاتی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس سرگرمی پر قناعت نہیں کی ——— وہ اگرچہ ایک ماہر جاسوسہ نہ تھی تب بھی اپنی طبعی کوتاہیوں اور بے پروائی کی عادت کے باوجود جاسوسی کے پیشے سے کنارہ کش نہ ہونا چاہتی تھی۔ اس کا نظریہ جاسوسی سب سے مختلف تھا———

جس سے چاہو مل لو، جس ملک کے شعبۂ سراغ رسانی سے چاہو رابطہ قائم کر لو، ہر قسم کے کام کرو، ادائے فرض کا یقین دلاؤ، بے پروائی سے خبریں حاصل کرو بے پروائی سے انھیں اِدھر اُدھر پھینک دو اور بڑی بڑی رقمیں طلب کرتی رہو ——— اس کے نزدیک تو یہی جاسوسی تھی۔

بلاشبہ وہ ایک اونچے پائے کی طوائف تھی اور پہلی عالم گیر جنگ کے دوران طوائفیں جاسوسی کر رہی تھیں۔ ہسپانیہ میں جاسوس رنڈیوں کی کمی نہ تھی لیکن وہ سب جوان تھیں، اپنا کام پوری سنجیدگی سے کرتی تھیں۔ حکومتیں ان سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کیے ہوئی تھیں۔ برخلاف ان کے ماتا ہری عمر رسیدہ ہوتی جا رہی تھی اور زوال پذیر حسن کو جاسوسی کے خار زار میں کھپا رہی تھی۔ حالاں کہ اس عمر میں کوئی عورت ادھر کا رخ بھی نہیں کرتی لیکن وہ اپنی خوش فہمیوں کو کہاں لے جاتی۔

کوئی حکومت اس پر بھروسہ نہ کرتی۔ ہر جائی پن بہر صورت خطرناک ہوتا ہے، معاملاتِ حسن و عشق میں بھی اور جاسوسی میں بھی۔ یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ اس کے چاہنے والوں میں سے کسی نے اسے ہر جائی پن کی سزا نہیں دی، اسے ہر حال میں قبول کیا لیکن جاسوسی کے باب میں تو اس کے ہر جائی پن نے قیامت ہی ڈھا دی۔

فرانس اور انگلستان کے سفارت خانوں کے دروازے اس پر قریب قریب بند تھے۔ ان کے حکام اس کے سرو جیسے جسم، کالی کالی آنکھوں، بدن کے لوچ پر بہت کم مائل ہوتے جس میں جنسی دل فریبی کے ساتھ ساتھ اک دعوتِ شوق بھی پنہاں ہوتی۔ البتہ ہالینڈ کے سفارت خانے میں وہ بے روک ٹوک آجا سکتی تھی۔ جرمن سفارت خانے کی جانب سے بھی کسی قسم کی پابندی نہ تھی چنانچہ وہ انھی آخری دو سفارت خانوں کے چکر لگاتی رہتی۔ جتنی بار بھی گئی لندن اور پیرس میں الارم بجتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رہا۔ اس کے ہر قدم کی ضرب لندن اور پیرس کے دفاتر میں بلکہ کپتان لادوس اور سر بیسل طامسن کے سر پر پڑی مگر اسے پروا نہ تھی کہ یہ ضربیں خود اس کے حق میں کس قدر خطرناک تھیں۔

ہالینڈ کے سفارت خانے سے اسے یہ مشورہ ملا کہ وہ روسیوں کے لیے جاسوسی کرنے آسٹریا چلی جائے۔ یہ سنتے ہی اس نے نہایت دلفریب انداز سے بدن کو جنبش دی۔ چمک دار آنکھوں سے مشورہ دینے والے کو دیکھا اور نہایت بے ساختگی سے کہا "مجھے کیا عذر ہے۔ میں جہنم میں بھی جانے کو تیار ہوں بشرطیکہ مجھے دس لاکھ فرانک مل جائیں"۔

"دس لاکھ تو کیا کئی دس لاکھ مل سکتے ہیں لیکن کچھ کر کے تو دکھاؤ"۔

"میں دام پہلے لیتی ہوں کام بعد میں کرتی ہوں"۔

"اپنے دستور کو الٹ سکو تو بات بن جائے گی"۔

"بات بگڑ جائے گی۔ میں کسی حکومت کی غلام نہیں۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ میں اپنا دستور بدلوں"۔

"دوسرے بھی اپنا دستور کیوں بدلیں جانِ من؟"

"نہ بدلیں"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کام سے زیادہ اسے دام سے دلچسپی تھی اسے ہمیشہ ایسے لوگوں کی تلاش رہتی جو عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے ہوتے۔

میڈرڈ میں رہتے ہوئے ماتا ہری نے ایک اور اناڑی پن کیا۔ وہ یہ کہ اس نے کپتان لادوس کو پیرس، خط بھیجا۔ بھلا کوئی کسی ملک کے محکمۂ سراغ رسانی کو بھی خط لکھتا ہے۔ یہ تو خواہ مخواہ اپنا بھانڈا پھوڑنے والی بات تھی۔ اس نے خط میں اقرار کیا کہ اس کا جاسوسی مشن ناکام رہا ہے۔ درحقیقت اس نے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ لادوس کی دی ہوئی دستاویزیں اور چھ جاسوسوں کی فہرست اس نے جرمنوں کو بھیج دی تھیں ——— اس کی یہ حرکت بڑی احمقانہ اور خطرناک ثابت ہوئی۔

اس نے اگر کپتان لادوس کو اپنے مشن کی ناکامی سے مطلع ہی کرنا تھا تو یہ کام وہ میڈرڈ میں رہ کر بھی کر سکتی تھی۔ فرانس کے سفارت خانے میں چلی جاتی اور سفیر کو مطلع کر دیتی۔ بہرحال کپتان لادوس کو اس کا خط مل گیا جس کے بعد میڈرڈ میں فرانس کے سفارت خانے کو کچھ ہدایات موصول ہوئیں اور وہاں سے فوجی اتاشی کرنل ڈیوینز اس سے ملنے کے لیے گیا کرنل بوڑھا تھا اس نے جنگ میں بھی حصہ لیا تھا۔ محاذ پر اس کی ٹانگ پر سخت چوٹیں آئی تھیں جس کے باعث وہ لنگڑا لنگڑا کر چلتا تھا۔ وہ ایسے وقت پر آیا جب ماتا ہری ہالینڈ کے سفارت خانے کے دو اتاشیوں کے ہاں کھانے پر مدعو تھی۔ دونوں بری طرح اس کی محبت میں گرفتار تھے اور اس کوشش میں تھے کہ اس حسینۂ ناز آفریں کو مائلِ کرم کر لیں۔ حسینہ بالکل پھسلواں قسم کی چیز تھی۔ ہر کسی کی گرفت سے نکل جاتی۔ اس کے آشنا جس قدر تنگ و دو کرتے وہ انھیں اسی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قدر چکے دیتی اور ان کی ناکامیوں پر خوب ہنستی۔ درحقیقت وہ اپنی کامیابیوں پر مسرور ہوتی تھی اور یہی اس کی زندگی کا مشغلہ تھا۔ ہجومِ عاشقاں میں اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے، وہ سب کے ارمانوں پر مستط ہو جاتی اور آرزوؤں پر رقص کرنے لگتی اب وہ جوان نہ تھی لیکن چاہنے والوں کی ارزانی کے باعث اس نے اپنی قیمت کم نہیں کی۔

وہ اب بھی محفلِ نشاط کی روحِ رواں تھی۔ چاہنے والے دو اتاشی اور تیسرا بوڑھا فرانسیسی کرنل۔ جب سب کے رگ و پے میں شراب کی مستی سرایت کر گئی تو اتاشیوں کا جذبۂ رقابت بھڑکا۔ کرنل لنگڑاتا تھا، معذور تھا تاہم وہ خسارے میں نہ رہا۔ دونوں اتاشی چاہتے کہ ماتا ہری ان کے ساتھ رقص کرے لیکن نشے نے انھیں ادھ موا کر رکھا تھا۔ وہ جھٹکا دے کر کبھی ایک کی گرفت سے نکلتی، کبھی دوسرے کی گرفت سے۔ دونوں کا حال بُرا تھا۔ ماتا ہری نہایت زرق برق لباس پہنے ہوئے تھی لیکن کیف و مستی کی آگ بھڑکانے کے لیے وہ نیم عریاں ہو گئی۔ شراب کی پُرکیف بو میں وہ سلگتا مہکتا ہوا پھول تھی۔ بے تاب دل بری طرح دھڑک رہے تھے، پھڑک رہے تھے۔ وہ نیم عریاں جوالا مکھی اس انجمن میں بجلی کا کوندا بنی ہوئی تھی۔ بوڑھا کرنل اس کی تعریف میں منہمک رہا۔

چنچل عورت! کاش تو صرف میرے ہی لیے ہوتی۔ میں اپنی جان دے کر بھی تجھے لینے کو تیار ہوں۔" بوڑھے کرنل نے کہا۔

"کرنل! تم کیا جانو! یہ کتنی قیمتی شے ہے۔ اس کی ایک ایک رات ہزار جوانیوں پر قربان ہے۔" ایک اتاشی نے کہا۔

دوسرا اتاشی کب چپ رہنے والا تھا۔ اس نے پیالہ شراب سے لبریز کیا، اوپر اٹھایا اور کہا، "یہ پیالہ تو جعلی ہے، اک فریب ہے، اصل چھلکتا ہوا پیالہ تو ماتا ہری ہے جسے پی کر کوئی شخص زندہ نہیں رہتا۔"

کرنل جب بھی موقع پاتا ماتا ہری کے چمکتے ہوئے سڈول بازوؤں کو دانتوں سے کاٹتا۔ پھر اس نے موقع پا کر اس سے کہا کہ وہ جرمنوں سے رابطہ پیدا کرے اور مراکش میں جرمن فوجوں کی آمد کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔

رات بھر محفلِ نشاط گرم رہی۔ چالاک کرنل اسے مسلسل اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر جب دونوں اتاشی بے ہوش ہو کر گر پڑے تو بوڑھے نے بڑے پیار بھرے لہجے میں اس سے کہا کہ وہ ضرور جرمن فوج کی نقل و حرکت کے متعلق خبر مہیا کرے۔

وہ روپیہ چاہتی تھی۔ پیرس سے کوئی جواب نہ آیا تھا پھر بھی جب بوڑھے کرنل نے اسے جرمن افسروں سے ملنے اور مراکش میں جرمن فوجوں کی آمد کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کو کہا تو وہ مطمئن ہو گئی۔ اس نے جان لیا کہ یہ سب کچھ کپتان لاروس کے ایما پر ہو رہا ہے اور اس کا معاوضہ اسے مل جائے گا۔

ارمان سلگ سلگ کر راکھ ہو گئے۔ رات کی محفل تمام ہوئی۔ نئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صبح نیا پیام اور نیا کام لاتی۔ ماتا ہری ایک لاُوبالی پن تو رکھتی ہی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسے جاسوسی کی ابجد بھی معلوم نہ تھی ——— پھر اس نے غضب یہ ڈھایا کہ ہالینڈ کے اتاشیوں اور فرانس کے ذمہ دار افسر سے مل کر جرمن افسر وان کیلے سے ملنے چلی گئی۔ اس کے لیے سب کچھ کھیل تھا۔ وہ اپنی افتادِ طبع سے مجبور تھی۔ کھلنڈری عورت تھی۔ ہر بات کو کھیل سمجھتی اور اسے اپنے مزاج سے ہم آہنگ کر لیتی۔ جو بات کھیل نہ بنتی اسے مسترد کر دیتی۔

وان کیلے سے ملاقات کے دوران وہ جسم کے عریاں حصول کی نمائش کرتی رہی، ہنستی مسکراتی اور اس کے چہرے پر سگرٹ کا دھواں پھینکتی رہی۔ وہ اس جدوجہد میں تھی کہ کسی طرح یہ ملاقات رومان میں بدل جائے اور وان کیلے اسے مراکش میں جرمن فوجوں کی آمد کے بارے میں کچھ بتا دے۔ جذباتی ماحول میں وہ ہر بات ساحلِ مراکش پر لے آتی لیکن اسے خبر نہیں تھی کہ وہ اب معتبر نہ رہی تھی۔ جرمن اسے جاسوسی کے لیے نااہل سمجھنے لگے ہیں۔ وان کیلے اس کے بار بار کے سوال سے تنگ آ گیا آخر اس نے بڑی نرمی سے کہا "دل نواز جب اتنے زیادہ سوالات نہ کرو۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ وان کیلے ریاکاری کر رہا تھا جسے نئی لغت میں ڈپلومیسی کہتے ہیں۔ وہ خوب جانتا تھا کہ اب ماتا ہری جرمن جاسوسہ نہ رہی تھی، فقط اک نازنین، مہ جبیں، نازک بدن، سیم تن عورت تھی

جس کی صحبت لطف انگیز ثابت ہوتی ہے۔ وان کیلے کے لیے اپنے جذبات پہ قابو پا سکنا مشکل ہو رہا تھا تاہم وہ اس وقت مراکش کے سلسلے میں جرمن اقدامات کا ذکر چھیڑنا نہ چاہتا تھا اس کا چمکتا دمکتا ہوا نیم عریاں بدن اس کی آنکھوں میں کھب رہا تھا اور وہ اس سے کھیلنا چاہتا تھا ماتا ہری چوں کہ خود کو جرمن جاسوسہ کہتی تھی اس لیے وان کیلے حقِ شفع میں اس سے جنسی تسکین چاہتا تھا۔ بہرحال ماتا ہری نے مزاحمت نہ کی اور اسے اپنے بدن سے کھیلنے دیا کھیل ختم ہوا تو اس نے جاسوسی کے بارے میں کچھ باتیں کیں جس سے ماتا ہری نے یہ تاثر لیا کہ اب جرمن اسے آلۂ کار بنانا نہیں چاہتے بلکہ اسے نہایت غیر محتاط اور غیر ذمہ دار شخصیت خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اب وہ گندگی پھیلا رہی تھی جس سے انہیں گزند پہنچنے کا احتمال تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جس مقصد کے لیے اس نے وان کیلے کی جنسی ہوس دور کی تھی وہ بھی پورا نہ ہوا آخر وہ واپس ہو کر بوڑھے کرنل سے ملی جو اپنی باہیں اس قتالہ کی گردن میں حائل کرنے کو بے تاب تھا۔ اس نے وان کیلے کی ملاقات کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ مراکش کے بارے میں جرمن اقدامات کا بھید کھل نہیں سکا۔ لگر ٹا فرانسیسی چپ ہو رہا۔ در اصل اسے مراکش سے کہیں زیادہ ماتا ہری میں دل چسپی تھی۔ ایک مراکش تو کیا فرانس لاکھ مراکش کھو بیٹھتا تب بھی اسے افسوس نہ ہوتا۔ اسے فتح و شکست اور جنگ سے چنداں دل چسپی نہ رہی تھی اب تو محاذِ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عشق پر اتر رہا تھا۔ لینگڑے نے ماتا ہری کو کچھ پھول دیے اور التجا کی کہ وہ دن بھر انہیں اپنی چھاتی پر آویزاں رکھے۔ شام ہوتے ہی اپنے بنگلے سے باندھ کر لوٹا دے۔ وہ ان پھولوں میں محبوبہ کے بدن کی بو سونگھتا رہے گا۔

بوڑھا کرنل بھانپ گیا تھا کہ منہ زور عورت کو سن رسیدہ لوگوں کے بجائے جوانوں سے محبت ہے۔ اس لیے اس نے صرف پھولوں میں دل نواز محبوبہ کے بدن کی خوشبو پانے پہ ہی اکتفا کی تھی۔

وہ اب بھی پیرس کے جواب کی منتظر تھی مگر وہاں سے جواب آیا نہ روپیہ۔ کپتان لاروس کا غصہ ذرا بھی فرو نہ ہوا تھا ———— اب حالات بہت خراب ہو گئے تھے۔ پیرس، لندن اور برلن بھی اسے بلائے بے درماں سمجھنے لگے تھے اور برلن تو اس سے چھٹکارا ہی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آخر اس سے کہا گیا کہ پیرس چلی جائے۔ وہ لاکھ بے پرواسہی پھر بھی اتنا تو جانتی تھی کہ پیرس اس کے درپئے آزار ہے، وہاں جانا خود کو موت کے جال میں پھنسانا ہے لہذا وہ ہچکچاتی رہی۔ ادھر برلن سے ہدایات پہ ہدایات آتی رہیں کہ ماتا ہری پیرس جائے اور وہاں جا کر ضروری معلومات فراہم کرے۔

یہ وقت ماتا ہری کے لیے بڑا آزمائشی تھا۔ اب تک اس نے جاسوسی کو کھیل سمجھ رکھا تھا اور اس میں نہایت بے پروائی دکھائی تھی۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ آگ کا کھیل کھیلتی رہی ہے جاسوسی کے بہانے

بڑا پیسہ بٹورا اور کام کچھ نہیں کیا۔ آخر سب ہی اس کے بیری ہو گئے۔ سب کو علم ہو گیا تھا کہ بڑے بڑے لوگ اس غیر محتاط اور بے کار عورت کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیتے ہیں اور اہم سے اہم خبر اسے دے دیتے ہیں اور یہ ان خبروں کو غلط طور پہ استعمال کرتی ہے جو نہایت خطرناک حرکت تھی۔ سب کو اس سے نقصان پہنچ سکتا تھا اسی لیے سب ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئے اور اس سے پیچھا چھڑانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ ہر ملک کے بڑے آدمیوں سے اس کی آشنائی تھی۔ ہر ملک کے حالات سے وہ آگاہ تھی لہذا اس کی ذات ہر ملک کے لیے پریشان کن بن گئی تھی۔

اس نے اپنے حسین بدن کو مردوں کے خلاف جان لیوا بنایا تھا۔ شکاری بن کر اپنے آشناؤں کے دل و دماغ چیر گئی۔ جنہوں نے اس گل بدن کو معاف کر دیا اور اس کی صحبت میں جو لمحے گزرے تھے انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی یادوں میں سمو لیا۔ مگر وہ لوگ جو اپنے ملک اور قوم کی سلامتی پر مامور تھے اسے بدترین ناگن سمجھتے رہے۔ انہی نے اس کی تباہی کے لیے گڑھے کھودے۔

وہ پیرس جانے سے کترا رہی تھی لیکن جانتی تھی کہ انکار کی صورت میں جرمن جاسوس اسے ہلاک کر دیں گے۔ قاعدہ ہے کہ جب جاسوس کو کوئی کام سونپا جائے تو اسے کرنا ہی پڑتا ہے خواہ یہ کام جان لیوا ہی کیوں نہ ہو۔ انکار کے معنی موت تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسی اثنا میں اس پر آسمان سے ایک بجلی ٹوٹ پڑی جس نے امید کے رہے سہے تنکوں کو جلا کر رکھ دیا ——— رنڈی بنتے ہی اس نے کپتان لاروس اور جرمنوں کو بھلا دیا تھا اور اپنے حال میں مست ہو گئی تھی لیکن انہوں نے اسے نہ بھلایا۔ اِدھر فرانس کے شعبۂ سراغ رسانی کو جرمن کی وہ خفیہ کوڈ مل گئی جس کی مدد سے جاسوسوں سے پیام رسانی کا سلسلہ قائم کیا جاتا تھا۔ یہ کوڈ جاسوسوں کو جان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اور وہ اس کی سخت حفاظت کرتے ہیں۔ افشائے راز کے بعد جرمن اتاشی وان کیلے نے برلن کو ایک پیغام بھیجا جو خفیہ کوڈ کی زبان میں تھا۔ یہ پیغام کسی طرح پیرس میں پکڑ لیا گیا اور کپتان لاروس کی میز پہ پہنچ گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ چند لفظوں پہ مشتمل یہ پیغام ہی ماتا ہری کی موت کا وارنٹ ثابت ہُوا۔ پیغام یہ تھا ———

"جاسوسہ ایچ اکیس میڈرڈ (ہسپانیہ) آگئی ہے اور فرانسیسی سفارت خانے میں ملازم ہو چکی ہے۔ اسے برطانوی حکام نے یہاں بھیجا ہے۔ روپیہ اور ہدایات طلب کرتی ہے۔"

اس کے جواب میں یہ حکم دیا گیا کہ جاسوسہ ایچ اکیس کو فرانس بھیجا جائے جہاں وہ اپنا کام جاری رکھے۔ پیرس کا ایک بنک اسے پانچ ہزار فرانک دے گا۔

کوڈ کا راز فاش ہونا اور جرمن سراغ رساں ایجنسیوں کے پیغامات کا پیرس میں موصول ہونا، یہ سب ایک شرارت کا نتیجہ تھا۔ جرمن نے

جان بوجھ کر ایسا کیا تھا جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ ماتا ہری کو فرانسیسیوں کے ہاتھوں مروایا جائے۔ ایک تو اس شر پسندی سے نجات ملے گی، دوسرے فرانس بدنام ہوگا کہ اس نے بلا کی خوب صورت رقاصہ اور عالم گیر شہرت کی عورت کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ماتا ہری کو جرمن کوڈ اور پیغامات کی چوری کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ اس تک تو بس یہی ہدایت بار بار پہنچی کہ پیرس چلی جائے ورنہ اسے جرمن سرکار مروا دے گی۔ اس ہدایت پہ تو وہ پیرس نہیں گئی لیکن اپنی مرضی سے چلی گئی۔

قصہ یوں ہوا کہ بوڑھا کرنل بے حد بیکل تھا۔ وہ اس قتالہ پہ سو جان سے فدا تھا اور بہر قیمت اس کا پیار خریدنا چاہتا تھا لیکن اس کے پاس اس گرانِ فروش رنڈی کے منہ مانگے دام کہاں سے آتے۔ آخر اس نے سوچا کہ کسی طرح اس کو فرانسیسی خزانے سے کوئی بھاری رقم دلا دے اور اسے اپنی گرفت میں لے آئے۔ خط و کتابت سے کام نہ بنا تو کپتان لاروس کی بے رخی پہ وہ پیرس جا پہنچا۔ اس کی یہ بے تابی خلافِ قاعدہ تھی۔ ماتا ہری کو پورا پورا یقین تھا کہ اس کا لنگڑا عاشق اس کے لیے فضا ہموار کرے گا، اس کی سفارش یا حمایت سے پیرس کے حکام اس کے موافق ہو جائیں گے۔ اب اس کا ڈر جاتا رہا تھا اور حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ لہٰذا وہ پیرس چلی گئی۔ جہاں کے حالات اس کے لیے انتہائی ناسازگار تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بوڑھے کرنل میں اس کے لیے وہی جذبہ کارفرما تھا جو شیریں کو پانے کے لیے فرہاد کے دل میں پیدا ہوا تھا اور اس نے جرمنوں کا جینا حرام کر دیا تھا لیکن کپتان لارڈس جرمنوں سے بھی زیادہ سخت ثابت ہوا۔ اس نے بوڑھے کرنل کی شاندار خدمات، وفاداری اور بزرگی کی پروا کی نہ ماتا ہری کی عشوہ طرازی کی۔ کرنل کے لیے یہ سلوک خلافِ توقع بھی تھا اور ناقابلِ برداشت بھی کیوں کہ اب اس کے لیے اپنی دلآرام سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ مایوسی اور اندھیروں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ اس عمر میں جب اس کے اعصاب کمزور ہو چکے تھے وہ اتنا بڑا صدمہ کیوں کر جھیل سکتا تھا۔ وہ تو جیتے جی مر گیا۔

ماتا ہری بھی سخت مایوس تھی۔ پیرس کے ہنگامہ خیز اور پُر رونق گلی کوچے اس کے لیے بھیانک ہو گئے تھے اور اب وہ ان میں تنہا رہ تھی۔ اس نے پھر جسم فروشی شروع کر دی ——— وہ مقامی حکام کے تیور بھانپ گئی تھی۔ اسے روپے، دوستوں، آشناؤں اور مددگاروں کی ضرورت تھی۔ حسن مائلِ زوال، حالات ناساعد اور اس پر ہجومِ عاشقاں کی آرزو۔ وہ ہر رات محفلیں سجاتی، نیم عریاں جسم کو بیباکانہ وار چھلکاتی اور آرزوئیں شکار کرتی۔ ادھر کپتان لارڈس بکھری ہوئی کڑیاں ملا رہا تھا تاکہ ایک مضبوط زنجیر بنا کر اس کی گردن میں ڈال دے۔ جرمنوں کا پیغام اس نے شاملِ مسل کر لیا جس سے پتا چلا تھا کہ وہ جرمن جاسوسہ ہے اور اس کا نام ایچ اکیس ہے نیز یہ کہ وہ برلن کی ہدایت پر فرانس میں جاسوسی کرنے آتی ہے۔

اس سلسلے میں اس نے تیس ہزار مارک بطور معاوضہ وصول کیے تھے۔ پھر یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ پیرس میں آنے کے بعد جرمنوں کی اطلاع کے لیے یہ جاننے کی کوشش کرے گی۔ کہ فرانس کے جدید ترین ٹینکوں کی کیا خصوصیات ہیں، پہلے ٹینکوں اور نئے ٹینکوں کی کارکردگی میں کیا فرق ہے، وہ جرمن کی آبدوز کشتیوں کی نقل و حرکت سے آگاہ تھی۔ آمسٹرڈم رہائش میں اس نے تمباکو والے سے رابطہ پیدا کیا تھا جس کی دکان جرمن جاسوسوں کا اڈہ تھا۔ پھر اس بات کو تو کپتان لارڈس کبھی بھول سکتا کہ اس حرافہ نے بلجیم میں فرانس کے جاسوس کو جرمنوں کے ہاتھوں مروایا تھا اور سر بیسل ٹامسن سے لندن میں کہا تھا کہ وہ فرانسیسی شعبۂ سراغ رسانی کی رکن ہے۔ بعض اطلاعات کے مطابق اس فتنہ گر نے پچاس ہزار اتحادیوں کو بھی جرمنوں کے ہاتھوں تہس نہس کرا دیا تھا۔

آخر یومِ حساب آ گیا۔ اب وہ صرف ایک طوائف تھی، شب و روز ایک طوائف کا کردار ادا کر رہی تھی۔ چمکتی دمکتی یہ جوالا مکھی اہلِ جنوں کی چتا کا کام دے رہی تھی۔ ہوٹل کے کمرے میں اس کے خاص خاص دوست آتے تھے۔ ایک روز نہایت ہوشیار اور تجربہ کار دو پولیس افسروں کو اس کے حضور بھیجا گیا۔ سینئر افسر کو ہدایت کی گئی کہ بڑی سوجھ بوجھ سے کام لے نہایت ملائم انداز میں اس سے گفتگو کرے۔ کسی صورت شائستگی کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دے۔ ماتا ہری بے حد نازک مزاج بھی تھی اور تند خو بھی۔ اس نے بیٹے کے قاتل کو اپنے ہاتھوں ہلاک کیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا۔ ایسی عورت سے کوئی بات بعید نہ تھی۔ اس کی بہن ہی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ لہٰذا پولیس افسر کو احتیاط کی ہدایت کی گئی۔ وہ جب کمرے میں آیا تو اس کی سج دھج قابلِ رشک تھی۔ اس کا لباس عریانی پر تہمت لگا رہا تھا۔ پولیس آفیسر اس بے پناہ جلوے کے لیے تیار ہو کر نہیں آئے تھے۔ وہ گھبرا گئے۔ انھیں اندیشہ پیدا ہو گیا کہ یوں بے جھجک چلے آنے پر وہ غضب ناک ہو گئی ہو گی لیکن ایسا نہیں ہوا ——— ان پر نگاہ پڑتے ہی وہ سمجھ گئی کہ اس کے نیم عریاں حسن نے انہیں مرعوب کر لیا ہے تاہم اس نے دریافت کیا "آپ نے کیوں زحمت فرمائی ہے؟"

"میں .... میں .... مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ آپ کو خفیہ پولیس کے صدر مقام پر یاد کیا جا رہا ہے" سینئر افسر نے کہا۔

"خیر باشد؟"

"جی ہاں، جی ہاں۔ خیر ہے، بالکل خیر ہے"

"لیکن ——— لیکن یہ لباس، کیا میں اس لباس میں وہاں جا سکتی ہوں؟ کیا خیال ہے آپ کا؟"

"یہ لباس، ہے تو بہت اچھا ——— لیکن بدل ہی لیجیے"

"مجھے تو اس میں کوئی عیب دکھائی نہیں دیتا۔ آپ کہتے ہیں تو بدلے لیتی ہوں"

"جی نہیں، آپ چاہیں تو بے شک اسی لباس میں چلیں، کوئی

مضائقہ نہیں"

پولیس آفیسر کو معاً خیال آ گیا کہ چالاک عورت ننگی بھی ہو تو اسے اسی حالت میں لے جایا جائے۔ مہلت نہ دی جائے۔ ممکن ہے کہ کپڑے بدلتے بدلتے وہ طپنچہ نکال لے اور کسی کا خون کر دے یا اپنے تئیں گولی مار دے ——— اسے یہ پہلے ہی بتایا گیا تھا کہ بڑی غضب ناک عورت ہے۔

اس نے سگرٹ کا دھواں فضا میں چھوڑا۔ ایک قیامت خیز انگڑائی لی جس سے حسن ہر طرف بکھرنے لگا۔ اس طرح اس میں جادو جگانے کی قوت عود کر آئی۔ اپنی ذات پر اعتماد پیدا ہوا تو فرانسیسی شعبۂ سراغ رسانی کی طلبی کی گھبراہٹ کچھ کم ہو گئی۔ اسے خوب معلوم تھا کہ اب بھی وہ ہر لمحے کو حسین بنا سکتی ہے۔ لہٰذا وہ ایک ہیجان انگیز ادا سے پولیس افسر کو دیکھنے لگی۔

پھر اس نے سگرٹ پھینک دیا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کیں اور بانہوں کا حلقہ سامنے کی جانب گرا کر پولیس افسروں کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ "مناسب یہی ہے کہ دوسرا لباس پہن لوں"

"آپ کی مرضی" سینئر پولیس آفیسر نے گھبرا کر کہا۔

اور دوسرے لمحے وہ کپڑے بدل رہی تھی۔ ان کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کہیں یہ خطرناک جاسوسہ کوئی چال نہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چل جائے اور انہیں کوئی جُل نہ دے جائے۔

وہ کپڑے بدلتی رہی اور باتیں بھی کرتی رہی۔ اس عرصے میں اس نے اپنی معصومیت و مظلومیت، برطانوی حکام کی زیادتی، ہالینڈ کی بجائے ہسپانیہ جانے کی کہانی سنا دی اور اپنی رعنائیوں کو جِلا دینے کے لیے بہترین لباس زیب تن کر لیا۔ جب یہ اطمینان ہو گیا کہ اس کے جلوے ہر بھلے چنگے آدمی کو ڈس لیں گے تو وہ فرانسیسی افسروں کے ہمراہ چلنے کو تیار ہو گئی۔

شعبۂ سراغ رسانی میں پہنچی تو گرفتاری کے وارنٹ اس کے حوالے کیے گئے۔ اس کے نزدیک یہ سلوک خلافِ توقع بھی تھا اور وحشیانہ بھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس نے فرانس کا کوئی جرم نہیں کیا ہے ——— اس کے بعد اسے کپتان لاروس کے پاس لایا گیا ——— اُسی کپتان لاروس کے پاس جس نے اسے فرانسیسی جاسوسہ مقرر کیا تھا اور جو دنیا بھر میں اس کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ کپتان لاروس کو دیکھ کر وہ مسکرائی اور گرفتاری کا وارنٹ اس امید کے ساتھ اس کی میز پر رکھ دیا کہ وہ اسے پھاڑ پھینکے گا لیکن ایسا نہیں ہُوا۔ کپتان لاروس نے حسینۂ عالم کی مسکراہٹ کا جواب بے رخی سے دیا اور نہایت سنگین لہجے میں کہا:

"ڈارلنگ! ایچ اکیس کب سے ہو؟"

یہ سوال نہیں تھا، بم تھا جو اس کے ہوش و حواس پر آ گرا۔

کپتان لاروس بڑے اطمینان سے کاغذ دل کے پلندے پر ہاتھ

دھرے بیٹھا تھا۔ اس کی مدت کی آرزو پوری ہو رہی تھی۔ پھر وہ مٹھیاں بھینچنے لگا۔ گویا اب شکار اس کے قبضے میں تھا اور وہ اسے پوری قوت سے مسل رہا تھا۔ کسی نے حسن و رعنائی کو اس طرح روندا نہ ہو گا جس طرح وہ روندنا چاہتا تھا۔ ماتاہری نے بھی زندگی میں خود کو کبھی اتنا بے بس نہ پایا تھا جتنا وہ آج اپنے کو پا رہی تھی۔ اس کا رنگ فق تھا اور اس وقت وہ اپنی گھبراہٹ کو سگرٹ کے دھوئیں اور قیامت خیز انگڑائیوں میں اڑا نہ سکی۔ دراصل اسے سگرٹ پینا یاد رہا نہ انگڑائیاں لینا۔ کپتان لاروس اسے نہایت خوف ناک درندہ معلوم ہو رہا تھا جو حسن و رعنائی کو سراہنے کی صلاحیت کھو چکا تھا۔

اب ماتاہری خود کو فتنۂ محشر کی بجائے جاسوسہ ایچ اکیس سمجھنے لگی تھی۔ اس نے اب تک جاسوسی کے سلسلے میں جو غلطیاں کی تھیں وہ سب ڈری سہمی اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہی تھیں۔ آخر سب کچھ تاریک ہو گیا۔ کپتان لاروس کے تیور اور برے ہو گئے۔

وہ لوگ جو کبھی ہنستی کھیلتی جوالا مکھی کے گرم گرم شعلوں سے پیار کے جذبات کو سکون بخشتے تھے۔ اب اسے جلّاد معلوم ہو رہے تھے ——— وہ خود کو ہمیشہ سے جانِ محفل خیال کرتی آئی تھی، اس نے کبھی خود کو جاسوسہ نہیں سمجھا تھا لیکن سراغ رسانی کے دفتر سے فوجی عدالت میں لائی گئی تو حکام نے اسے دشمن کی جاسوسہ کے سوا اور کچھ سمجھنے سے انکار کر دیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ فرانس میں اس کے خلاف اتنی موٹی مسل

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تیار کی جائے گی اور کپتان لاروس خوب نمک مرچ لگا کر ایک ایک نکتے کی وضاحت کرے گا۔ اس نے بڑا گند اچھالا اور ججوں کو اس سے بدظن کر دیا۔ خفیہ پولیس میں اسے جو اہم مقام حاصل تھا اس سے اس نے پورا پورا بلکہ ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اس کی ہر بات، ہر رائے ذہنی خیال کی جاتی۔ پھر جب وہ ماتاہری کو فرانس اور اتحادی ملکوں کی سلامتی کے لیے ہول آفریں خطرہ کہتا تو پوری عدالت اس خاموش شعلے کو خوفناک نگاہوں سے دیکھنے لگتی۔

"دنیا شعبۂ جاسوسی میں اتنی شرانگیز عورت پیدا کرنے سے قاصر رہے گی۔ یہ لہراتی بل کھاتی ہوئی رقاصہ ایک ناگن ہے جس نے پچاس ہزار محبانِ وطن کو ڈسا اور ہلاک کیا ہے اگر ہمارے یہ شہید کسی طرح جی اٹھیں تو پچاس ہزار بار اپنے قتل کا انتقام لیں لیکن، افسوس! ہم اس خوب صورت درندے کو صرف ایک آدمی کے قتل ہی کی سزا دے سکتے ہیں۔"

"یہ نازنین جسے اس کے چاہنے والے گلاب کا پھول کہتے ہیں زہر میں بجھی ہوئی تلوار ہے یہ تلوار بڑی بے رحمی سے وار کرتی رہی ہے۔ اگر یہ یونہی آزاد رہتی تو اس کی خونخواری بے مثال ثابت ہوتی۔ ویسے یہ اب بھی اپنی نظیر نہیں رکھتی۔"

ماتاہری نے بڑے ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ اس وقت وہ تنہا تھی۔

تاہم اس نے تنہائی میں بھی امید، جرأت اور خود اعتمادی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

ماتاہری پر جاسوسی کا الزام عاید ہو چکا تھا مگر ایک نہایت اہم شخص ابھی تک مطمئن نہ تھا وہ فرانسیسی دفترِ جنگ کا تحقیقاتی افسر، کپتان بوکرون تھا۔ اس کی پریشانی کا سبب یہ تھا کہ کیس میں جان نہ تھی ہر بات ہر معاملہ ٹھوس ثبوت کا محتاج تھا، کوئی بات، کوئی معاملہ شک کی منزل سے آگے نہ بڑھتا۔ کپتان لاروس ہی ایسا آدمی تھا جس کی غیر معمولی دل چسپی کے باعث اس چھوٹی سی بات نے اتنا طول کھینچا تھا۔

ماتاہری نے تسلیم کر لیا تھا کہ جاسوسہ "ایچ اکیس" وہی ہے لیکن اس نے کوئی جاسوسی نہیں کی۔ اسے اگر کسی بہانے پیسہ مل جاتا تو وہ قبول کر لیتی۔ جرمن افسر نے اسے جو تیس لاکھ مارک دیے تھے وہ جاسوسی کا معاوضہ نہیں تھا، پیار کی قیمت تھی۔ جرمن افسر نے اسے اپنا بنانے کے لیے سرکاری خزانے سے روپیہ دلوا دیا تھا۔ وہ جاسوسہ نہیں تھی صرف ایک رقاصہ تھی۔

پھر اس کے سامنے کئی حکومتوں کے بڑے بڑے افسروں کی فہرست رکھی گئی۔ جنہیں اس نے جسم پیش کیا تھا۔ اس نے اس حقیقت کا اقبال کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ جسم کی دکان دار ہے۔ اس نے پیار کو ذریعۂ معاش بنایا ہے لیکن عدالت اس کے موقف کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ کپتان لاروس کے الزام کے علاوہ اس کے قبضے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے ایک جرمن چیک اور پارے کا ایک ایسا مرکب برآمد ہوا تھا۔ جو غیر مرئی سیاہی کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ چیک کے بارے میں اس نے وہی پرانی دلیل دہرائی کہ یہ جسم فروشی کا معاوضہ ہے اور پارے کے مرکب کے بارے میں کہا کہ اسے وہ حمل کی روک تھام کے لیے برتتی ہے لیکن فوجی عدالت نے اس کی بات نہ مانی۔

اس نے بار بار یہ جتایا کہ وہ جسم فروش جذباتی عورت اور رقاصہ تھی۔ جو اسے چاہتے وہ جائز و ناجائز طریقے سے اسے معاوضہ دیتے لیکن وہ اس کا جواب نہ دے سکی کہ اس نے شعبۂ سراغ رسانی کے حکام کو معاملاتِ محبت میں کیوں الجھایا جبکہ ان سے کہیں بہتر اور بے ضرر عیش پرستوں کی کمی نہ تھی۔

اب مقدمے کی پیروی کے لیے فرانس کا ایک بہت بڑا وکیل آیا۔ عالمی شہرت کا یہ بوڑھا قانون دان کسی زمانے میں اس کا عاشق رہ چکا تھا۔ وہ اپنی پرانی محبوبہ کو فوجی عدالت میں بے یار و مددگار نہ دیکھ سکا محبت کے مرجھائے ہوئے جذبے میں جان پڑ گئی اور وہ انتہائی انہماک سے اس کا کیس لڑنے لگا۔

عدالت کا ماحول بڑا ڈراؤنا تھا۔ گنتی کے چند ضروری آدمیوں کے علاوہ فوجی عدالت میں کوئی پھٹک نہ سکتا۔ بند کمرے میں کارروائی ہوتی تاہم بوڑھے وکیل کی آمد سے ماتا ہری کا حوصلہ قدرے بڑھ گیا اور وہ کچھ نڈر ہو گئی۔ وہ ہر سوال کا جواب بڑی خوب صورتی سے دیتی۔

اور لوگ اس کی ذہانت اور ہمت پر عش عش کرنے لگتے ——

اس کا یہ عالم تھا کہ جب عدالت میں ہوتی تو خود کو تھیٹر کی اسٹیج پر سمجھتی اور بڑی بجھی ہوئی ایکٹریس کی طرح اپنا کردار ادا کرتی۔ کپتان لاروس کی فائل میں بعض ایسے خطوں کے بارے میں شہادت تھی جو اس نے اپنی لڑکی کو بھیجے تھے۔ یہ خط فرانس کی خفیہ پولیس نے سنسر کیے تھے اور ان کی منزل برلن کا شعبۂ سراغ رسانی تھا۔ ماتا ہری ان خطوں کے بارے میں اطمینان بخش جواب نہ دے سکی۔

جب عدالت نے اس سے پوچھا کہ اس نے فرانس کے شعبۂ سراغ رسانی کی ملازمت کیوں اختیار کی تو وہ بلا تامل بول اٹھی "مجھے روپے کی ضرورت تھی"۔ اسی وقت اس کی توجہ اس امر کی جانب دلائی گئی کہ روپے کی ضرورت تو فوراً دوسرے طریقے سے پوری ہو گئی تھی۔ جرمن حکام نے لیک غیر جانب دار ملک کے سفارت خانے کی وساطت سے اس کو دس ہزار فرانک بھجوا دیئے تھے۔ اس پر وہ بولی "یہ تو میرا کاروبار تھا۔ میں بیک وقت ایک سے زائد ذریعوں سے روپیہ وصول کرنے میں عیب نہ سمجھتی۔ دوست میری مدد کرتے ہی رہتے تھے"۔

عدالت کا رویہ غیر موافقانہ تھا حالانکہ اس نے فرانس کی خدمت کی تھی، کپتان لاروس کو آبدوزوں کے بارے میں اطلاع دی تھی۔ لیکن عدالت نے کہا "تمہارے تعلقات جرمن حکام سے تھے"۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انھی نے تمھیں آبدوزوں کی نقل و حرکت کی بابت بتایا۔

جب عدالت اس کی بات نہ مانتی اور رک رک کر کوئی ایسی بات بتاتی جس سے یہ جتانا مقصود ہوتا کہ وہ جرمن جاسوسہ ہے تو اس کے تن بدن میں اک آگ سی لگ جاتی اور وہ تلخ کلامی سے اپنی برہمی کا اظہار کرنے لگتی۔ عدالت اظہارِ معذرت کرتی اور کہتی، "مادام! ہم بھی مجبور ہیں۔ ہمیں ہم وطنوں نے ملک کی سلامتی کی ذمہ داری سونپی ہے۔ ہم ان کے سامنے جواب دِہ ہیں۔"

ایسے ہر لمحے کے بعد وہ محسوس کرتی کہ بازی ہار رہی ہے لیکن وہ حوصلہ نہ ہارتی۔ وہ حسین تھی، فوجی عدالت سے باہر بڑے بڑے آدمی اس کے لیے بے کل تھے اور اس کے بچانے کی تدبیریں کر رہے تھے۔ اسے عالمی شہرت حاصل تھی اور کسی اخبار کا یہ جملہ تو بار بار اس کے کان میں گونجتا:

"جنگ کی ساری غارت گری کی رسوائی
ماتا ہری ایسی نازک اندام، گُل بدن
عورت کی ہلاکت کی رسوائی سے کمتر
ہے۔"

اب اس کے پاؤں تلے سے مٹی سرک رہی تھی۔

ہسپانیہ میں اس کا قیام بھی شک و شبہ سے خالی نہ تھا۔ عدالت نے اسے بتایا اور اس نے اعتراف کیا کہ میڈرڈ کے جس ہوٹل میں

وہ مقیم تھی اس میں برابر کا کمرہ جرمن سراغ رساں کا تھا جو اس سے اکثر ملتا جلتا تھا۔

مشکل یہ آپڑی تھی کہ عدالت ٹھوس ثبوت کے بغیر شک و شبہ کی بات بھی سچ ماننے کو تیار تھی۔ یہی بات اسے سخت ناگوار تھی۔

کبھی کبھی جب وہ اچھے موڈ میں ہوتی تو عدالت ہی میں سب کے سامنے سرخی پاؤڈر لگانے اور بناؤ سنگار کرنے لگ جاتی۔ اس وقت خود کو ملزمہ کے بجائے جانِ محفل خیال کرتی۔ مسکراتی، نخرے دکھاتی۔ یہ اور بات ہے کہ عدالت اسے جاسوسہ کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھتی۔

بوڑھے وکیل نے صفائی کے گواہ پیش کیے اور بڑے جذباتی انداز میں بحث کی۔ اس نے ثابت کیا کہ وہ رقاصہ تھی اور ایسی فن کارہ تھی جس نے مشرق کی روح اپنے انگ انگ میں سموئی اور پھر بڑی فیاضی سے اسے مغرب میں ارزاں کیا۔ اس نے مغرب کو رقص کے ذریعے مشرق کے پُراسرار انداز سے آشنا کیا۔ اس نے کبھی کوئی جاسوسی نہیں کی۔ برسبیلِ خبر رسانی تھوڑا بہت کام جو کیا ہے اس کی سزا اسے نہیں بلکہ ان معزز، ذمہ دار اور نامور ہستیوں کو ملنی چاہیے جنھوں نے اسے گرفتارِ بلا کیا ہے، جنھوں نے خواہ مخواہ اس کی جانِ ناتواں پر خبروں کا بوجھ ڈالا ہے۔

بوڑھا وکیل جس قدر نکتہ داں، ماہرِ قانون اور شگفتہ بیاں تھا اتنا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہی اس کا کام مشکل تھا کیوں کہ وہ عدالت کے رویے سے مایوس ہو چکا تھا۔ پھر ماتاہری کے جوابات اور بیانات میں بھی تضاد تھا۔ بہرحال وہ بڑے خلوص سے حقِ رفاقت ادا کرتا رہا۔

آخر ساری محنت اکارت گئی۔ ماتاہری کی جلوہ سامانی اور عشوہ گری جس نے ہمیشہ جادو جگایا کچھ کام نہ آئی اور بوڑھا وکیل بے اختیار رو پڑا۔ ماتاہری نے کسی پہلو ناتوانی کا اظہار نہیں کیا۔ اب اس کی مسکراہٹ میں اور بھی نکھار آگیا۔ اس نے اپنے اعتماد اور اپنی جرأت کو بحال رکھا اور دنیا کو جتا دیا کہ فرانس تو کیا، وہ دنیا بھر کے لیے ناقابلِ شکست ہے۔ اس کی جادوگری اب بھی فرانس کو خریدے گی۔ اس کے بارسوخ آشنا اسے گزند نہ پہنچنے دیں گے۔

عدالت نے اسے موت کی سزا سنائی تھی جسے اس نے نہایت متین اور پروقار انداز سے سُنا۔ ہجومِ عاشقاں میں اک کہرام مچ گیا لیکن ماتاہری پر جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا۔ اسے یقین تھا کہ ہجومِ عاشقاں اسے چھڑائے گا۔ حکومت سے اندر اور باہر بڑے بڑے لوگ اس پر دم دیتے اور اس کی سلامتی کے خواہاں تھے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ سزائے موت کا حکم سنانا تو سہل تھا لیکن ماتاہری کو ہلاک کرنا بڑا کٹھن کام تھا۔ عدالت کے فیصلے سے ایک سنسنی پھیل گئی۔ اکثر لوگ اس فیصلے سے مطمئن اور متفق نہیں تھے اور خود ماتاہری بڑے اطمینان سے سب کچھ دیکھ سن رہی تھی۔ وہ کوئی بے سہارا تو تھی نہیں۔ فرانس

کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی اس کے حامی موجود تھے ——— ادھر فرانسیسی افواج میں بغاوت بھی پھیلنے لگی۔ لہٰذا مدت تک عدالت کے فیصلے پر عمل نہ ہو سکا۔ جوں جوں وقت گزرتا رہا اور موت کی گھڑی ٹلتی رہی ماتاہری کو یقین ہوتا گیا کہ اسے چاہنے والے بچاؤ کی تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں جو بہر طور اسے بچا لیں گے۔

حالات کچھ بھی ہوں مگر ماتاہری نے کسی مرحلے پر اس خوف اور کرب کا مظاہرہ نہیں کیا جو ایسے موقعے پر عموماً ہو کر رہتا ہے۔

جیل میں اس کی زندگی تھکا دینے والی تھی۔ کمرے میں اس کے ہمراہ دو راہبائیں بھی رہتی تھیں جو تھیں تو عورتیں لیکن نامہم جنس۔ اسے تو ساغر و مینا کی محفلوں میں سجنے اور شعلے بھڑکانے کا شوق تھا، رات کی انجمنوں میں رونق بننے کا چسکا پڑا ہوا تھا اور ہر شب ایک نئے ساتھی کو شریکِ انبساط بنانے کی لت تھی۔ زندگی کا ہر لمحہ اس کے لیے نئے ہنگامے لے کر آتا ——— اور ہنگاموں سے اس کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔

شبرنی کو قید میں ڈال دیا گیا تھا ——— ایسی شبرنی جو بڑے بڑے شیر دل مردوں کو نگاہِ غلط انداز سے چت کر دیا کرتی تھی مگر آج وہ بہت بے بس تھی۔ وہ ایک بھرپور عورت تھی اور اسے زندگی کے بھرپور مشغلوں ہی سے تسکین ملتی تھی ——— راہبائیں اسے کیا دے سکتی تھیں، وہ تو خود کھوکھلی تھیں۔ انہیں زندگی سے پالا پڑا ہی نہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا، انہوں نے تو زندگی سے فرار اختیار کیا تھا لہٰذا اجتماعِ ضدین میں اس زندگی کے کسی موڑ پر ماتا ہری اور راہبائیں ایک نہ ہو سکیں۔

بلاشبہ اس کے لیے ہر سانس اور ہر لمحہ سوہانِ روح تھا لیکن اس نے کسی نہ کسی طرح ضبط کی عادت ڈال لی۔ شاید وہ تنہائی کے لمحات میں حسین ماضی اور پر امید مستقبل کے تانے بانے بُنتی رہتی اور رات کو وہ چین سے سو جاتی۔

فرانس میں بغاوتوں، جاسوسوں کی سرگرمیوں، قتل و غارت اور افراتفری کا سلسلہ طول کھینچتا گیا۔ صدر پریشان تھا۔ انہیں دنوں بوڑھے وکیل نے شاہی خاندان اور فرانس کے اونچے طبقے کے ان معززین کو جمع کیا جو ماتا ہری کے چاہنے والے تھے پھر صدر سے رحم کی درخواست کی لیکن فرانس کی افراتفری میں کچھ نہ ہو سکا۔ صدر چاہتا بھی تو درخواست منظور نہ کر سکتا تھا، وہ بھی حالات سے خائف تھا۔ لیکن بوڑھے وکیل کے دل میں امید کی کرن اب بھی روشن تھی۔ وہ روز آتا اور ماتا ہری کا حوصلہ بڑھا جاتا۔

آخر کار ایک دن سارا طلسم ٹوٹ کر رہ گیا ——— ماتا ہری کے حسن کا طلسم، بوڑھے وکیل کی امیدوں کا طلسم ——— اور موت کی گھڑی آ پہنچی۔

جس صبح اسے ہلاک کیا جانا تھا، اس صبح وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اسے نہ کوئی کرب تھا نہ غم نہ فکر جو اس کی نیند میں خلل ڈالتا۔ ایسے میں

موت کے فرشتے آ پہنچے۔ یہ وہ جلاد تھے جنہیں اسے مقتل میں لے جانا تھا عین اسی وقت بوڑھا وکیل قانون کی کتاب لیے آ دھمکا۔ اس نے جلادوں کو روک کر کہا کہ وہ ماتا ہری کو ہلاک کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔

جلاد اور پورا فرانس بوڑھے وکیل کی نکتہ دانی کا قائل تھا۔ ایسے نازک موقعے پر اس کی مداخلت از حد پریشان کن تھی۔

"کیوں ———؟" ایک نگران افسر نے تمتماتے ہوئے چہرے سے کہا۔

"فرانس کا قانون حاملہ کو ہلاک کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔"

"تو کیا ماتا ہری حاملہ ہے؟"

"اس میں بھی کوئی شک ہے؟"

"لیکن وہ کیوں کر حاملہ ہوئی؟ اس کے پاس تو کوئی مرد پھٹکا بھی نہیں۔"

"میں اسے ملنے آتا رہا ہوں، میں اس کا وکیل ہوں۔ اور پھر ڈاکٹر بھی تو آتا رہا ہے۔"

نگران افسر سخت تذبذب میں پڑ گیا۔ اس نے اٹک اٹک کر کہا "اس کا فیصلہ طبی معاینے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔"

"طبی معاینہ؟ لیکن میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔"

ماتا ہری جانتی تھی کہ وہ غلط کہہ رہا ہے۔ طبی معاینے پر وہ حاملہ ثابت نہیں ہو گی۔ اس نے اس گفتگو کو بے معنی جانا اور رحم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کا گلاس لے کر پینے لگی۔ جیل کے حکام آخری وقت میں رم کے گلاس ہی سے اس کی تواضع کر سکتے تھے۔

اس نے بہترین لباس زیب تن کیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہجوم عشاق میں ناچنے چلی ہے اور آج موت کا نہیں بلکہ اس کی زندگی کا کوئی معمولی دن ہے جو چوٹی کے کسی ہوٹل، کلب یا کسی نواب کی محفل خاص میں شعلہ وار صرف ہوگا اور دلوں کو خاکستر کر کے رکھ دے گا۔

آخر وہ بن سنور کر موت کی دلہن بن گئی۔ امیدیں اور ناامیدیاں تھرکنے لگیں ——— وہ بھی نوجب مشرقی انداز میں ناچتی تو اس کا انگ انگ تھرکنے پھڑکنے لگتا تھا اور وہ ان میں امیدیں اور ناامیدیاں بھر لیتی تھی۔ اس کا ناچ بھی تو جذبات ہی کا کھیل ہوتا تھا۔ اس کی زندگی بھی تو ایک بہت بڑا ناٹک تھی۔ آج وہ خود اس ناٹک کا سب سے بڑا کردار ادا کرنے جا رہی تھی جس میں مکر و فریب کا گذر نہ تھا۔ آج صرف حقیقت کا کھیل تھا اور اس حقیقت کو اس کی جان پر گزرنا تھا۔ اس نے خود کو دنیا کے ایک بہت بڑے المیے کے لیے تیار کر لیا۔ اب وہ امید اور ناامیدی کی دنیا سے نکل جانا چاہتی تھی ——— بڑے صبر و سکون کے ساتھ۔ یہ صبر و سکون کی کیفیت سب کے لیے حیرت کا موجب تھی۔ سب سے زیادہ اس کی سہیلیوں کے لیے ——— دو راہبائیں حیران تھیں۔ ان کی کسی کاوش کو اس صبر و سکون

میں دخل نہ تھا۔ اس نے کبھی کسی راہبہ کی بات نہ سنی تھی کیوں کہ راہبائیں زندگی کے بارے میں کوئی عملی علم نہ رکھتی تھیں اور ایسی صورت میں ان کا مشورہ کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔

آج وہ ایک فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ رہی تھی کہ زندگی ایک خواب ہے۔ موت نیند کی سہیلی ہے اور ایک ہی روپ کے دو نام ہیں۔ مرنے اور سونے میں کچھ فرق نہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے جب مرنے اور جینے میں بھی فرق نہیں رہتا ——— اور وہ وقت بھی جلد ہی آپہنچا۔

ایک افسر نے اس سے پوچھا، "مادام! آپ کوئی وصیت کرنا چاہتی ہیں؟"

اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور وہ غضب ناک ہو گئی۔ غصے سے اس کا بدن قریب قریب لرزنے لگا۔ اس مداخلت نے وہ کیفیت درہم برہم کر دی جو موت اور زندگی کے درمیانی فاصلے پاٹ دیتی ہے۔ اس نے قہر آلود نگاہوں سے فرانسیسی افسر کو دیکھا اور درشتی سے کہا "تم ... تم فرانس کے فرزند ہو، ایک بے گناہ عورت اور اس فن کے غارت گر ہو۔ تم خود کو اس قابل سمجھتے ہو کہ اس بے گناہ فن کار عورت کی وصیت سنو! تم فن کی عظمت سے ناواقف ہو، مجھے کچھ نہیں دے سکتے۔ میں اپنی کوئی خواہش، کوئی آرزو، کوئی وصیت تمہارے سپرد نہیں کر سکتی۔ تم اس لائق ہی نہیں ہو۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور پھر وہ دیوانہ وار ہنسنے لگی۔ وہ ان لوگوں کو ہیچ خیال کرتی تھی جو اسے مقتل تک لے جانے پر مامور تھے۔

البتہ اس نے اپنی بیٹی اور اپنے دو جاں نثار عاشقوں کے نام خط ضرور لکھے ——— پھر وہ مقتل کو روانہ ہو گئی۔

تارے سرمئی چلمن سے جھانک رہے تھے اور وہ بھی تھرک رہے تھے امید اور نا امیدی کی لہروں پر کیوں کہ چند لمحوں کے بعد انہیں بھی اس دنیا سے رخصت ہونا تھا۔ ماتا ہری نے جب انہیں دیکھا تو مسکرا پڑی۔ وہ بھی تو ایک جوالا مکھی تھی جو بڑی تیزی سے بھڑکتی رہی تھی۔ اور یہ تارے تو ہلکے ہلکے، مدھم مدھم سلگ رہے تھے۔ اس کو تو ساری زندگی بس ایک ایک ہی تمنا رہی تھی کہ جوالا مکھی بھڑکتی رہے۔ بہت بڑا ہجوم عاشقاں ہو جس میں پیمانے چھلک رہے ہوں اور جوالا مکھی سلگتے سلگتے اپنے ہی شعلوں کی نذر ہو جائے، زندگی سلگتے سلگتے تمام ہو جاتے۔

وہ جب مقتل میں پہنچی تو قطعاً بد دل نہ تھی۔ ابھی اس میں زندگی کی لو بھڑک رہی تھی، ابھی اس کے عشاق نے یقین دلایا تھا کہ آخری لمحے بھی کوئی معجزہ رونما ہو سکتا ہے اور وہ بچ سکتی ہے۔ آخر اسے مقتل کے خوابے میں پیڑ سے باندھ دیا گیا۔ نشانہ باندھا گیا۔ نگران افسر ننگی تلوار لیے کھڑا تھا۔ اس نے تلوار ہلائی۔ گولیاں چلیں اور وہ معطر شعلہ جو ہزاروں کی آرزؤں میں ہلچل مچاتا رہا تھا، ہمیشہ

ہمیشہ کے لیے سرد پڑ گیا۔ ایک خوب صورت، گل اندام عورت خوشنما ملبوس میں خون کا غسل کر رہی تھی اور مقتل کو انتہائی وحشت ناک بنا رہی تھی ——— اس نے شاید ہی کبھی اتنی بھیانک شکل اختیار کی ہو۔

قید کی زندگی نے اس کی ساری دل فریبی اور تمام آب و تاب چھین لی تھی۔ مرنے سے ایک روز پہلے جو تصویریں کھینچی گئی تھیں ان میں وہ ادھیڑ عمر کی ایک سیدھی سادی اور غیر دلکش عورت معلوم ہوتی تھی ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۷ء کی صبح کو زندگی کی آخری کرن چمکی اور سورج پھر کبھی اس کے لیے طلوع نہ ہوا، پھول اس کے لیے پھر کبھی نہ مہکے۔ جس روز وہ گولیوں کا نشانہ بنی تھی اس کے بعد سے اس کی زندگی کے واقعات افواہوں اور داستانوں میں بدل گئے اور آج بھی وہ ماضی کے اُفق پر حسن و شہرت کا تاج پہنے ہوئے رقص کرتے دکھائی دیتی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

04 AUG 1973

مرتھی ریچر

یہ عورت ماتاہری کی ہمعصر تھی اور ۱۹۱۶ء میں میڈرڈ میں جاسوسی کرتی تھی۔ ایک موقعے پر اس نے اعتراف کیا کہ جاسوسی کے دھندے میں چال بازی کے سوا کچھ نہیں۔ وہ خوش قسمت تھی کہ اسے گولی نہ ماری گئی بلکہ اس کے برعکس اسے اعزازات سے نوازا گیا۔ پھر یہ بھی تو ہے کہ وہ ماتاہری سے کہیں زیادہ ذہین کارکن اور قوم پرست تھی۔ اس کے ماضی میں جذباتی برانگیختگی کا ایسا کوئی واقعہ نہیں ملتا جس میں اسے کسی سے سمجھوتا کرنا پڑا ہو۔

وہ لوورین کی رہنے والی تھی۔ اس کا نام بیتین فیلمر تھا۔ بڑی چالاک بڑی دل فریب اور بڑی مہذب عورت تھی۔ ہم جوئی اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ اسے ہوائی جہاز چلانا بھی آتا تھا۔ ہوائی سفر کے اس ابتدائی زمانے میں کوئی لڑکی ہوائی جہاز چلانا نہ جانتی تھی۔ یہ ایک بڑا نایاب ہنر تھا۔ اسی وصف کی بدولت اس کا بڑا نام ہوا۔ اس نے ایک فرانسیسی فوجی افسر سے شادی کی تھی جو ۱۹۱۶ء میں مارا گیا اور مرتھی ریچر اکیلی رہ گئی۔

وہ فرانس کے شعبۂ سراغ رسانی کے سربراہ کپتان لاروس کو جانتی تھی۔ اپنے شوہر کے ذریعے اس سے ملی تھی۔ لاروس نے اس میں اول درجے کی جاسوسہ بننے کی صلاحیت پائی اور اس کو اس کام پر مامور کر دیا۔ یہ جوان بیوہ دشمن کے لیے دل میں نفرت کے شدید جذبات رکھتی اس کا شوہر، ایک بانکا فرانسیسی جوان تھا جو دشمن کی گولی کا شکار ہو گیا تھا لہٰذا وہ رضاکارانہ طور پر جاسوسی کرنے کو تیار ہو گئی۔ اس نے فرانس کے شعبۂ سراغ رسانی میں باقاعدہ تربیت حاصل کی جہاں اسے بتایا گیا کہ وہ خود کو پیرس کی ایک عشرت پسند سنکی عورت ظاہر کرے اور اپنے ماں باپ کو سوئٹزرلینڈ کا رہنے والا بتائے اور کہے کہ وہ جنگ سے تنگ آچکی ہے، فرانسیسیوں کو ناپسند کرتی ہے اور سوئٹزرلینڈ کی نسبت کے باعث جرمنوں سے ہمدردی رکھتی ہے۔ لاروس نے اسے ہسپانیہ بھیج دیا تاکہ وہاں جاکر جرمنوں کی خفیہ سروس کے راز چرائے۔

ہسپانیہ کا یہ شہر روسا کی فیشن ایبل تفریح گاہ تھی۔ جنگ کی سختیوں نے یہاں کی خوبیوں کو ابھی تباہ نہیں کیا تھا۔ پیرس میں اسے استاد نے پٹی تو پڑھا ہی دی تھی چناں چہ اس نے خود کو بڑے بانکے اور کشش انگیز انداز میں پیش کیا اور وہاں ٹھہرے ہوئے بھیڑیوں نے اسے گھیر لیا۔ ان بھیڑیوں کی چیخ پکار سے مطلوبہ حلقے بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان حلقوں کے لوگ تو ہمیشہ موزوں صلاحیت کی خواتین کی تاک میں رہتے تھے۔ اسی لیے پہلی جنگِ عظیم نے جادوگر جاسوس عورتوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے لیے طالع آزمائی کے بہترین مواقع فراہم کیے تھے۔ دوسری جنگِ عظیم میں حالات کچھ مختلف تھے۔ اس میں مردوں کے دل کے تار چھیڑنے کی نسبت ریڈیو کے بٹن کو حرکت دینے کی صلاحیت زیادہ اہم تھی۔

مرتھی کو پہلے پہل ڈاکٹر سٹیفن ملا یہ ایک جرمن تھا۔ جوان اور حسین بیوہ پر اس کے ارادے بہت جلد واضح ہو گئے۔ ہُوا یوں کہ مرتھی نے جنگ سے بیزاری کا اظہار کیا اور رنگین پن کا بھی۔ اس طرزِ عمل سے ڈاکٹر سٹیفن کا اشتیاق بڑھنے لگا۔ پھر اس حرافہ نے یہ کہہ کر بھی اس کے اشتیاق کو ہوا دی کہ وہ قمار خانے میں بہت زیادہ روپیہ گنوا چکی ہے اور اب مالی مشکلات میں گرفتار ہے۔ بات چیت کے دوران میں جونہی اس نے مرتھی کو جرمنی کے شعبۂ سراغ رسانی میں شامل ہونے کی دعوت دی اور یہ بھی بتایا کہ وہ خود اس شعبے کا ایک ادنیٰ رکن ہے تو مرتھی نے ناک بھوں چڑھا کر کہا کہ وہ چھوٹے آدمیوں سے معاملہ طے نہیں کرتی۔ درحقیقت اس نے پہلی ملاقات ہی میں اپنی فراست کا ثبوت دیا تھا اور جتا دیا تھا کہ وہ صرف بڑے آدمیوں سے ملنا پسند کرتی ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اہم راز صرف بڑے آدمیوں کے پاس ہی ہوتے ہیں۔ ان سے بڑے راز بھی خریدے جا سکتے ہیں اور بڑا معاوضہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ چھوٹوں کے پاس تو بس چھوٹے چھوٹے راز ہوتے ہیں اور ان کے مالی اختیارات بھی محدود ہوتے ہیں۔ مرتھی بڑے

میدان کی کھلاڑن بننا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر سٹیفن کو اس نے زینے کی پہلی سیڑھی قرار دیا تھا۔

مرتھی نے بھی ماتاہری کی طرح اپنی قیمت بہت اونچی رکھی لیکن ماتاہری کی جڑوں میں جہاں پانی مرتا تھا وہاں مرتھی کے یہاں نہ مرتا۔ پیسے کی تو اسے ضرورت نہ تھی اور اسے یہ بھی خبر تھی کہ وہ کیا کر رہی ہے، کیا کرنا چاہتی ہے، کیا کر کے رہے گی۔ وہ حقیقتاً ایک مستقل مزاج عورت تھی۔

اس نے ڈاکٹر سٹیفن سے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کا ایک اصول ہے۔ اس اصول کے مطابق وہ خدا سے براہ راست ملنا اور بات چیت کرنا چاہتی ہے، اولیا سے اسے غرض نہیں۔" اس پر ڈاکٹر سٹیفن نے اپنی توہین محسوس کی اور وہ قدرے برہم بھی ہوا لیکن مرتھی نے اس کی پروا نہ کی اور دوسرے ہی لمحے اس سے کہہ دیا کہ اسے دو لاکھ ہسپانوی (طلائی) سکے درکار ہیں۔

ذاتی برہمی سے قطع نظر ڈاکٹر سٹیفن فرانسیسی حسینہ سے بہت متاثر تھا بلکہ مرعوب بھی تھا۔ اس نے حکام بالا سے اس کا تذکرہ کچھ اس انداز سے کیا کہ وہ بھی پھڑک اٹھے۔ درحقیقت ڈاکٹر سٹیفن جرمنی کے شعبہ سراغ رسانی کی ہسپانوی شاخ کا سربراہ نہ تھا۔ اس کا سربراہ تو فوجی اتاشی وان کیبلے تھا۔ یہ وہی زمانہ ہے جب ماتاہری بھی وان کیبلے سے ملاقاتیں کیا کرتی تھی۔ میڈرڈ میں شاہی بحریہ کا کپتان بیرن ہنس وان کرون سفارت خانے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں بحریہ کا اتاشی تھا۔ یہ شخص پچاس کے پیٹے میں تھا، وجیہ اور شکیل۔ صورت سے رئیس معلوم ہوتا۔ لوڈنڈروف کا بھتیجا تھا۔ جوان عورتوں پر جان چھڑکتا تھا۔ کچھ ہی مدت ہوئی تھی کہ اس نے بائیس سال کی ایک حسین عورت سے بیاہ رچایا تھا۔ جب اس نے ڈاکٹر سٹیفن سے مرتھی کے حسن اور اس کی خواہش کا تذکرہ سنا تو جھٹ اس کے پاس جا پہنچا اور مرتھی نے نہایت فراخ دلی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ بیرن کے اس کے لیے دوہرے ارادے تھے۔ وہ اس جوان حسینہ کو محبوبہ بھی بنانا چاہتا تھا اور جاسوسہ بھی۔

مرتھی جاسوسی کی حقیقت سے آگاہ تھی اور کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ تھی۔ جب اس نے اس خطرناک میدان میں قدم رکھا تو آنکھیں کھلی رکھیں اور حواس بجا رکھے۔ اس کے شوہر نے وطن پر جان قربان کی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اسے بدن کی قربانی دینی ہوگی۔ اس کے بغیر کام نہ بنے گا اور وہ وطن کی خدمت نہ کر سکے گی۔ یہ بات اسے فرانس کے تربیتی مرکز میں نہیں سکھائی گئی تھی۔ اس کا اندازہ تو اس کو صورتِ حال دیکھ کر ہی ہوا۔ مردوں کو رام کرنے اور ان کے دل کی باتیں معلوم کرنے کا یہی طریقہ تھا کہ ان سے شدید جذباتی اور جنسی تعلق قائم کیا جائے۔ لیکن یہ امر کس قدر تعجب انگیز ہے کہ پیرس کے آقاؤں کو اس کا علم نہ تھا۔ جب انہیں خبر ملی کہ ان کی جاسوسہ جرمن اتاشی وان کرون کی داشتہ بن گئی ہے تو انہیں سخت صدمہ پہنچا۔

جاسوسی کے معاملے میں ماتا ہری جس قدر ناکام ثابت ہوئی تھی مادام مرتھی اسی قدر کامیاب ثابت ہوئی۔ دونوں کا طرزِ عمل اور طریق یکساں تھا۔ دونوں نے جسم فروشی کی لیکن ایک کو اپنے مشن سے لگاؤ تھا اور دوسری اس سلسلے میں غیر سنجیدہ تھی۔ بوڑھا وان کرون مرتھی پر بہت بری طرح جان دیتا۔ اس نے اسے بڑی شان و شوکت سے پیلیس ہوٹل میں رکھا۔ مادام نے اسی ہوٹل میں ادھیڑ عمر کی ایک دراز قامت حسین عورت کو دیکھا جس کے ارد گرد مردوں کا ہجوم رہتا اور جس کی بابت ہوٹل کی خادمہ نے بتایا کہ وہ انگلستانی رقاصہ لیڈی میکلوڈ ہے۔ مادام کو خبر نہ تھی کہ وہ جاسوسہ ماتا ہری ہے۔ لاردس نے اسے ماتا ہری کا نام نہیں بتایا تھا۔ اس سے ایک اور بات نکلتی ہے کہ اگر ماتا ہری جاسوسی کی دنیا میں کوئی مقام رکھتی ہوتی تو فرانس کا جاسوسی کا شعبہ مادام مرتھی کو اس کے بارے میں ضرور بتاتا جبکہ دونوں پیلیس ہوٹل ہی میں مقیم تھیں۔

اچھا ہوا کہ دونوں الگ الگ رہیں اور ان میں رابطہ پیدا نہیں ہوا ورنہ ماتا ہری سے بہت پہلے، ماتا ہری کی حماقت کے باعث، مادام مرتھی موت کے گھاٹ اتر جاتی۔ وہ سب سے پہلے وان کرون کو بتاتی کہ مادام مرتھی فرانسیسی جاسوسہ ہے۔

جب مادام مرتھی جرمنی کی خفیہ سروس میں ملازم ہو گئی تو برلن کے حکام نے اس سے معاوضے کے بدلے میں کام کا مطالبہ کیا اور معلومات

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فراہم کرنے کو کہا ——— میڈرڈ روشنیوں کا شہر اور ایک شاندار عشرت کدہ تھا۔ لیکن مادام مرتھی کو اجازت نہ تھی کہ خود کو عیش و عشرت کی تکان سے آلودہ کرے درآنحالیکہ اس پر سوجان سے فریفتہ ہونے والا وان کردن ایسا ہی کچھ چاہتا تھا۔ برلن کے حکام کو فوجی اہمیت کی معلومات درکار تھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ مادام مرتھی انہیں فوجی ٹھکانوں اور صنعتی کارخانوں کے بارے میں اطلاع دے۔ اس کے لیے وہ لاہیو رجائے اور تحقیق کر کے مطلوبہ جگہیں معلوم کرے۔

ادھر وان کردن کی جوان بیوی مادام مرتھی سے جلنے لگی تھی۔ وہ تسلیم ہی نہ کرتی کہ فرانسیسی حسینہ اس کے شوہر کی محبوبہ نہیں بلکہ جاسوسہ ہے اور دونوں کے تعلقات میں اس کے لیے تشویش کا پہلو نہیں نکلتا۔ بیوی کے حاسدانہ طرزِ عمل کے پیشِ نظر وان کردن بھی اس نظریے کا حامی ہو گیا تھا کہ مادام مرتھی کچھ کام کرے۔ اس طرح اس کی بیوی کا شک دور ہو اور برلن کے حکام کی تشفی ہو۔

حسد بُری بلا ہے۔ بیگم وان کردن بڑی چالاک عورت تھی۔ اس نے مادام مرتھی کو پھانسنے کے لیے کئی جال بچھائے لیکن مادام مرتھی اس سے بھی زیادہ چالاک اور ذہین تھی وہ کسی جال میں نہ پھنسی اس کی کسی چال میں نہ آئی۔

مادام مرتھی نے کسی طرح غیر مرئی روشنائی کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں۔ یہی نہیں بلکہ اس نے چھوٹی چھوٹی ٹکیوں کی شکل میں

یہ روشنائی چرا بھی لی اور بڑی صفائی سے انگلیوں کے لانبے لانبے ناخنوں کے اندر چھپا لی۔ جاسوسی کے اس نئے حربے سے لیس ہو کر وہ پیرس چلی گئی۔ پیرس پہنچ کر اس نے شعبۂ سراغ رسانی کو مکمل رپورٹ دی اور خفیہ روشنائی کی ٹکیاں پیش کیں۔ انھیں دیکھ کر حکام کی آنکھوں میں ایک چمکا چوندا آ گئی۔ پہلے تو وہ حیرت زدہ ہوئے لیکن بعد میں جب اس نے بتایا کہ وہ وان کردن کی محبوبہ بن گئی ہے تو وہ مایوس ہوئے۔ شدتِ جذبات کی حد تک تعلقات پیدا کرنا ضرر رساں سمجھا گیا۔ حکام بالا نے طے کیا کہ اسے شعبۂ سراغ رسانی کی ملازمت سے برطرف کر دیا جائے لیکن لاروس کی مداخلت سے ایسا نہ ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ وان کردن سے کتنے ہی تعلقات کیوں نہ ہو جائیں مادام مرتھی اپنے وطن سے وفاداری کرے گی۔ فرانس کے لیے اس کی وفاداری اٹل تھی۔ لاروس آخری دم تک اس پر بھروسہ کرتا رہا۔

ادھر وان کردن فرانسیسی حسینہ کے ہجر میں تڑپ رہا تھا۔ اسے اس کا سخت انتظار تھا۔ جب وہ دو ہفتے کے بعد میڈرڈ واپس آئی تو اس نے اپنے عاشقِ زار کو بے قرار پایا۔ وہ اپنے ساتھ نہایت خفیہ معلومات لے کر آئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ یہ معلومات بطور خاص فرانس کے شعبۂ سراغ رسانی کے ماہروں نے اس کے لیے گھڑی تھیں۔

جب یہ معلومات وان کردن تک پہنچیں تو بہت مسرور ہوا۔ ان کی بدولت دونوں کی دوستی کا رشتہ اور مضبوط ہو گیا ادھر برلن کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حکام بھی ضرورت سے زیادہ مطمئن ہو گئے۔

اسی اثنا میں مادام مرتھی کو پتا چلا کہ بین الاقوامی قانون کے خلاف جرمنی کی ایک آبدوز ہسپانوی بحیرۂ روم کے ساحل پر سے جہاز پکڑ رہی ہے۔ اس نے پیرس کے شعبۂ سراغ رسانی کو آبدوز کی حرکات و سکنات کے بارے میں مطلع کیا لیکن اس کے نکتہ چینوں کو یقین نہ آیا چناں چہ بجریہ نے کوئی اقدام نہ کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آبدوز اتحادیوں کے جہازوں پر ٹوٹ پڑی۔

وان کرون کی تو بات ہی اور تھی۔ وہ مادام مرتھی سے بے حد خوش تھا۔ اور برلن کے حکام بھی اس پر بہت اعتماد کرنے لگے تھے انھوں نے اسے جنوبی امریکہ بھیج دیا اور وہ برازیل اور ارجنٹائن میں جرمنی کے تخریب کاروں کے لیے نہایت خفیہ قسم کی ہدایات لے کر پہنچی۔ یہ ہدایات خفیہ سیاہی سے کاغذ پر لکھی ہوئی تھیں۔ بظاہر تو یہ کاغذ کورا معلوم ہوتا لیکن حقیقتاً مستعمل تھا۔

مادام مرتھی ابھی میڈرڈ ہی میں تھی کہ اس نے اخباروں میں ماتا ہری کے مقدمے کی خبر پڑھی۔ اب اسے یہ بھی یاد آیا کہ ماتا ہری کو اس نے پیلس ہوٹل میں دیکھا تھا۔ اخبار میں وان کرون اور وان کیلے کے ناموں میں گڑبڑ کر دی گئی تھی اس لیے وہ یہ سمجھ نہ سکی کہ ماتا ہری کا تعلق وان کیلے سے تھا یا وان کرون سے ——— بہر حال ایک گرماگرم قسم کی کامیڈی رونما ہوئی۔ مادام مرتھی کو اس انکشاف پر رنج پا ہونا چاہیے تھا کہ اس کا عاشق بے وفا نکلا اور اس کی سخت توہین ہوئی۔ نتیجہ توقع کے مطابق نکلا اور دفتر میں داخل ہوتے ہی اس نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا اور اخبار اٹھا کر وان کرون پر پھینک مارا اس نے چیخ کر کہا "اب مکرتا نہیں۔ اس سے تمھیں کچھ فائدہ نہ پہنچے گا۔ مجھے خبر ہے کہ ماتا ہری کون تھی۔ وہ رقاصہ ابھی دلفل پیلس ہوٹل میں مقیم تھی۔ جب میں وہاں ٹھہری ہوئی تھی"!

وان کرون سخت حیران اور پریشان ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ بیوفا نہ تھا، بے وفا تو مادام مرتھی تھی جسے وہ صدقِ دل سے چاہتا تھا۔ اس نے مادام مرتھی سے کہا کہ وہ ماتا ہری کے قریب بھی نہیں پھٹکا ماتا ہری سے اس کا واسطہ ہی نہیں رہا غالباً وہ وان کیلے کی داشتہ تھی یا پھر جرمنی کے سفیر سے اس کی آشنائی ہوگی۔

مادام مرتھی نے اس کی بات نہ مانی کیوں کہ اس چالاک عورت نے جان بوجھ کر یہ ڈرامہ کھیلا تھا اور چاہتی تھی کہ اس کا نتیجہ اس کے حق میں نکلے۔ وان کرون ہر قیمت پر اپنی محبوبہ کو خوش کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اس کے سامنے وہ فائلیں رکھ دیں جن میں ان جاسوسوں کے نام اور ان کی تصویریں تھیں جن سے وہ اب تک کام لے چکا تھا۔ ان میں کہیں بھی ماتا ہری کا نام نہ تھا۔

یہ امر بعید از قیاس ہے کہ مادام مرتھی ایسی ہوشیار عورت نے اس بے حد خفیہ دستاویز سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہوگا۔ اس نے اتفاقاً

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وان کردن سے اس بات کی یقین دہانی کروالی کہ ماتاہری ہسپانیہ میں کبھی بھی جرمنوں کی جاسوسہ نہیں رہی۔ یہ اس حقیقت کا ایک اور ثبوت تھا کہ جاسوسی کی دنیا میں ماتاہری کی افسانوی شخصیت کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔

اس کے خلاف مادام مرتھی نہایت کامیاب جاسوسہ ثابت ہوئی اور اس نے کئی کارنامے سرانجام دیے۔ جن میں سے ایک کارنامہ یہ تھا کہ اس نے جرمن جاسوسوں کا وہ خفیہ راستہ دریافت کر لیا جسے وہ فرانس میں داخل ہونے کی غرض سے کام میں لاتے تھے۔ اس دریافت کے لیے اس نے ایک چال چلی۔ اس نے اپنے ہی نام ایک تار بھیجا جس میں لکھا کہ نینسی کے مقام پر اس کی ماں سخت بیمار پڑی ہے بلکہ قریبِ مرگ ہے اور اسے یاد کرتی ہے۔ تار وصول کر کے اس نے وان کردن سے کہا کہ اس کا ماں کے پاس جانا ضروری ہے لیکن ایک دشواری یہ ہے کہ فرانسیسی حکام اس پر شک کرنے لگے ہیں اور جاننا چاہتے ہیں کہ وان کردن سے اس کے تعلقات کی حقیقت اور نوعیت کیا ہے۔ اگر وہ عام رستے سے گئی تو پکڑی جائے گی۔ یہ ڈراما اس نے ایسے دلگداز انداز سے کھیلا کہ وان کردن کو اس پر ترس آگیا۔ اس کا دل پگھل گیا۔ اس نے مادام مرتھی کو خفیہ راستے سے بھیج دیا۔ ہو سکتا ہے کہ مادام مرتھی کے کانوں میں اس خفیہ راستے کی بھنک پڑ چکی ہو اور اس نے راز معلوم کرنے کی غرض سے یہ ڈراما

کھیلا ہو۔ ——— بعد ازاں اس نے فرانس کے حکام کو اس خفیہ راستے کی تفصیل بتا دی۔

پھر اس نے فرانسیسی حکام سے کہا کہ بارسیلونا میں اس کے لیے ایک ہوائی جہاز بھیج دیں۔ بارسیلونا میں وہ وان کردن کے ہمراہ رہتی تھی جہاں ان کا چھوٹا سا عملہ بھی تھا۔ وہ بیگم ولسن کہلاتی اور وان کردن مسٹر ولسن کے نام سے مشہور تھا ——— وہ اپنے چاہنے والے (وان کردن) کو اغوا کرنے اور ایک گراں قدر قیدی کی صورت میں فرانسیسی حکام کے حضور پیش کرنے کے لیے تیار تھی لیکن فرانس کے شعبۂ سراغ رسانی نے خود ہی پسند نہ کیا۔ فرانسیسی حکام ان دنوں ایک عجیب الجھن میں مبتلا تھے۔ ایک طرف تو انہیں یہ بات ناگوار گزرتی کہ بنتِ فرانس ایک جرمن افسر سے جنسی اختلاط کرتی ہے، دوسری طرف قومی سلامتی کی خاطر وہ ان معلومات کا خیر مقدم کرتے جو وہ اپنے چاہنے والے سے اخذ کر کے انہیں مہیا کرتی۔ یہ معلومات اگرچہ ناجائز تعلقات کا حرامی بچہ سہی لیکن انہیں ان سے نفرت نہ تھی ——— اور ابھی وقت نہ آیا تھا کہ وہ اس ناجائز تعلق کو ختم کرنے کا حکم دیتے۔

ادھر بنتِ فرانس کی حب الوطنی دیکھیے کہ وہ ملکی مفاد کے پیشِ نظر وان کردن سے جنسی مراسم تو قائم کیے ہوئے تھی مگر جرمنوں سے اپنی خدمات کا معاوضہ لینے پر آمادہ نہ تھی۔ اس نے جرمن مرد کو تو اپنے اوپر حرام نہ کیا تھا لیکن جرمن سکے کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا ———

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور اس پر مستزاد یہ کہ جو کچھ بھی لیا وہ اپنے ملک کو دے دیا۔
جنگ تمام ہوئی تو وہ فرانس آگئی لیکن فرانس اس کا ممنون نہ ہوا۔ شعبۂ سراغ رسانی نے اس کی خدمات کو تسلیم کیا اور اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ اس کی خدمات اس قدر قابلِ قدر تھیں کہ وہ اعلیٰ فرانسیسی اعزاز کی مستحق ہے لیکن عملاً اس کو کچھ بھی نہ دیا گیا۔ اعلیٰ حکام یہ بات برداشت نہ کر سکے کہ بنتِ فرانس ایک جرمن کی داشتہ تھی۔ قیاس کہتا ہے کہ اگر وہ ماتا ہری کی پیروی کرتی، جس نے تھوڑی سی مدت کے لیے وان کیلے سے تعلقات قائم کیے اور قیمتی معلومات اخذ کیں، تو برا نہ ہوتا۔ مادام مرتھی نے تو وان کردن سے مستقل تعلق قائم کر لیا تھا اور اسی کی ہو کر رہ گئی تھی ——— نتیجے میں جنگ کے بعد فرانس کے نازک مزاج حکام مادام مرتھی کے رویے پر سخت برہم تھے۔
آخر مرتھی بہت مایوس ہوئی اور فرانس کو خیرباد کہہ کر انگلستان چلی گئی۔ یہاں اس نے بیاہ کر لیا اور اطمینان و مسرت کی زندگی بسر کرنے لگی۔ اس کا دل صاف تھا۔ فرانس نے اس سے بدسلوکی کی تھی تاہم وہ اپنے طور پر مطمئن تھی کہ اس نے بڑی خوش اسلوبی اور وفاشعاری سے خدمتِ وطن انجام دی تھی ——— انجام کار فرانس کا شعبۂ سراغ رسانی اس کی خدمات کو فراموش کرنے پر آمادہ نہ ہوا وہ مسلسل اعلیٰ حکام پر اس کے کارناموں کی اہمیت واضح کرتا رہا

اور جنسی اختلاط کے واقعے کو ناگزیر قرار دیتا رہا۔ آخر ۱۹۳۳ء میں جا کر بات بنی۔ فرانس نے اس کی خدمات کا اعتراف اور اپنی تنگ خیالی پر اظہارِ ندامت کیا اور اسے ملک کا بہت بڑا اعزاز عطا کیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اینٹ ورپ کی خفیہ تربیت گاہ

پہلی جنگ کے دوران میں جرمن کے پاس متعدد کامیاب جاسوس عورتیں تھیں جن میں سے ایک کا نام اینا میری لیسرہ ۹ تھا۔ اس حسین عورت نے اپنی دل ربائی اور ذہانت کے ذریعے گراں قدر خدمتِ وطن انجام دی۔

حسینۂ برلن جنگ سے پہلے ایک جرمن جاسوس کی داشتہ تھی جو تجارت کے ساتھ ساتھ جاسوسی بھی کرتا اور بلجیم میں گھومتا پھرتا رہتا۔ اینا میری کسی حد تک آرٹسٹ بھی تھی۔ اس نے قلعہ بندیوں کے خاکے بنائے اور جرمن ہائی کمان کے حوالے کیے۔ یہ خاکے اس قدر مفید تھے کہ جب اس کا جاسوس تاجر وفات پا گیا تو ہائی کمان نے یہ کہہ کر اسے جاسوسی کے فرائض سونپ دیئے کہ وہ اس سے بہتر جاسوس ثابت ہو سکتی ہے —— اور وہ فرانس اور بلجیم کی قلعہ بندیوں کے خاکے کھینچتی رہی۔

جنگ کے دوران میں وہ اتحادیوں کے مورچوں کے پیچھے مصروفِ عمل رہی جہاں حسین عورتوں کی خوب مانگ تھی اور چکلا کھلا تھا جہاں

جنسی بھوک کے مارے فوجی افسر عورتوں کی آغوش میں جا پڑتے اینا میری کی دکان خوب چمکی۔ کتنے ہی افسر اس کے جال میں پھنستے رہے اور پھر جذبات کی تسکین کے بعد وہ ہیجان زدہ ہو جاتے تو وہ ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دیتی۔

اس زمانے میں اینا میری کو ایک دوسری عورت سے مل کر کام کرنا پڑا جو کسی داستان کا دل فریب کردار معلوم ہوتی۔ یہ الزبتھ شریگ ملر تھی جس کے کئی نام تھے —— فرالین ڈاکٹر، مادام ڈاکٹر، شیرنی کی آنکھوں والی۔

الزبتھ ایک عالم فاضل عورت تھی۔ اس نے ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کی تھی ۱۹۱۴ء میں جرمنی کے شعبۂ جاسوسی کی نظرِ انتخاب اس پر پڑی۔ اس کی عمر چھبیس سال تھی۔ پکے رنگ کی یہ حسینہ زبردست شخصیت کی مالک تھی، بے حد ذہین اور کئی زبانوں کی ماہر وہ جرمنی کے جنگی مقاصد کی بہت حمایت کرتی تھی، اسے جنگی قیدیوں سے ملنے کا بھی موقع دیا گیا اور اس نے بعض قیدیوں سے کچھ ایسے سوالات کیے اور اس طرح جاسوسوں کا کھوج لگایا کہ حکام قائل ہو گئے پھر اسے جاسوسی کی تربیت دی گئی اور اس نے اپنی اعلیٰ ذہانت کا سکہ منوا لیا چنانچہ اسے انیٹ ورپ میں جاسوسی کی تربیت گاہ کا انچارج بنا دیا گیا۔

الزبتھ نے بڑی مستعدی سے لڑکیوں کو جاسوسی کے گر سکھائے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دشمن سے میل جول پیدا کرنے، راز معلوم کرنے اور بہ احتیاط اپنے حکام تک پہنچانے کی ترکیبیں بتائیں۔ ۱۹۱۵ء میں اس کا تربیت یافتہ ایک شاگرد انگلستان پہنچا لیکن اسے پوری طرح تربیت نہ ملی تھی۔ اور ہنگامی حالات میں عموماً مکمل تربیت کی نوبت بھی نہیں آتی یہ لڑکا بھی بیسیوں دوسرے جاسوس مردوں اور عورتوں کی طرح کم تربیت یافتہ تھا اور اس کے پاس سامان بھی کم تھا۔ لہٰذا اس کو بہت جلد جاسوسی کا کام ترک کرنا پڑا۔ جب اس سے معلمہ فرالین ڈاکٹر کی نسبت دریافت کیا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ بہت خوف ناک عورت ہے اسی نے فرالین کو شیرنی کی آنکھوں والی کا نام دیا تھا۔

ہالینڈ کے دو باشندے جینسین اور رُوز بھی اس کے شاگرد تھے۔ وہ سگار کے تاجر بن کر جاسوسی کرتے تھے۔ انہوں نے پورٹ ماؤتھ میں اپنا اڈہ بنایا تھا۔ بحریہ کے بارے میں انہیں جو اطلاع ملتی اسے وہ سگار کے آرڈروں میں رکھ لیتے اور روٹرڈم کو روانہ کر دیتے۔

آخر الزبتھ ایک افسانوی کردار بن گئی۔ پہلے تو وہ قدیم عہد کی کسی لڑاکا عورت کے مانند تھی، اب ایک دل فریب حسینہ بن بن گئی جس میں فتنے جگانے کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں۔ ماتا ہری کی طرح اس کی کامیابی کا سہرا بھی بیشتر اہلِ قلم کے دماغ تھے جو اس کے بارے میں لکھتے رہتے۔ ویسے اس کی تربیت گاہ سے

ایسے طالب علم کم ہی نکلے جنہوں نے کوئی نمایاں کام کیا ہو۔ اس کے دونوں شاگرد جینسین اور رُوز نے بھی ٹھیک سے کام نہیں کیا۔ انہوں نے خواہ مخواہ قیاس کیا کہ پورٹ ماؤتھ کے انگریز سگار پیتے ہیں آخر وہ اپنی ناواقفیت کی بناء پر مارے گئے۔

فرالین کے بیشتر شاگرد تربیت کا ایک بھونڈا نمونہ تھے۔ ادھر جاسوسی کی اس تربیت گاہ کی بھی جاسوسی کی جا رہی تھی۔ پڑوس کے مقبوضہ ملک بلجیم کے لوگ اس کی جاسوسی کر رہے تھے۔ یہ لوگ اتنے چالاک تھے کہ فرالین کو سبق پڑھا سکتے۔ یہ اکثر خفیہ طور پر فرالین کے شاگردوں کے فوٹو کھینچ لیتے اور بڑی صفائی سے اتحادیوں کے شعبۂ سراغ رسانی کو پہنچا دیتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرالین کی تربیت گاہ سے فارغ ہو کر جوں ہی کوئی جاسوس یا جاسوسہ میدانِ عمل میں آتی فوراً پہچان لی جاتی۔

پھر بھی اہلِ جرمن نے فرالین کے کام کو سراہا، جنگ کے بعد اسے تمغہ دیا گیا اور پنشن مقرر کر دی گئی۔ پھر وہ یونیورسٹی میں اقتصادیات کی معلمہ ہو گئی۔ اور جب نازیت کی تحریک نے زور پکڑا تو وہ اس کی زبردست حامی بن گئی لیکن بدقسمتی سے اس کی ریڑھ کی ہڈی کو روگ لگ گیا اور وہ معذور ہو کر سرگرمی سے کام کرنے کے قابل نہ رہی۔ ۱۹۴۰ء میں اس نے میونخ میں وفات پائی۔

اس کے شاگردوں میں میریا ڈی وکٹوریکا نام کی ایک امیر زادی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی تھی جو جرمنی کے ایک مہذب خاندان سے تعلق رکھتی اور شہزادہ دن بولو کی دوست تھی۔ مغرب میں اونچے طبقے کے لوگ مہذب کہلاتے ہیں اور جنسی بے راہ روی، اختلاط وارتباط کو تہذیبی سرگرمی کا نام دیتے ہیں۔ عورت کا غیر مردوں سے ملنا جلنا، شمع انجمن بننا، بے تکلفی سے شراب پینا اور رقص وسرود کی صحبتیں کرنا کچھ معیوب نہیں بلکہ باعثِ امتیاز سمجھا جاتا ہے۔ میریا انہی خصوصیات اور مشاغل کی بنا پر مہذب و متمدن تھی۔ وہ فرانسیسی سے حسین تر تھی اور اس سے زیادہ رسائی رکھتی پھر وہ کئی زبانوں کا علم بھی رکھتی تھی۔ تہذیبی سرگرمیوں کے تجربے اور محفل طرازی کے ذوق نے اس میں بلا کی جاذبیت پیدا کر دی تھی۔ ان اوصاف کو ملحوظ رکھ کر اسے ملک کی خدمت پر آمادہ کیا گیا ۱۹۱۴ء میں ادھر جنگ چھڑی، ادھر اسے ایک اہم کام کے لیے چن لیا گیا اور رائیٹ ورپ کی تربیت گاہ میں داخل کر دیا گیا۔ جب وہاں سے فارغ ہوئی تو تخریبی کارروائیوں اور جاسوسی کے لیے امریکہ بھیج دیا گیا۔

امریکہ میں اسے خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔ وہ بہت جلد اجنبی دیس کے مزاج سے آگاہ ہو گئی بلکہ اس کے نزدیک یہاں تہذیبی سرگرمیوں کے لیے یورپ سے بھی زیادہ آسانیاں تھیں، شراب اور عورت دونوں کی ارزانی تھی، دونوں کے بغیر رنگِ محفل نہ جمتا۔ امریکی سراغ رساں مہینوں اس کی جستجو میں رہے۔ برطانیہ کا شعبۂ سراغ رسانی ۱۹۱۴ء ہی میں اس سے آگاہ ہو گیا تھا۔ اس نے نیویارک کو خبر دی تھی کہ جرمنی

کی جاسوسہ میریا نے دسمبر ۱۹۱۶ء میں یا جنوری ۱۹۱۷ء میں ارجنٹائن سے پاسپورٹ لیا ہے اور وہ سمندر کے راستے نیویارک روانہ ہو گئی ہے۔ ——— وہ نیویارک میں جرمنی کی ایک فرم کے پتے سے خطوط کتابت کرے گی اور وہ پینتیس سال کی پکے رنگ کی عورت ہے ——— اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ سوئٹزرلینڈ سے مجسمے درآمد کرتی جن میں نئی قسم کا زور سے دھماکا پیدا کرنے والا بارود بھرا ہوتا۔ یہ مجسمے وہ اپنے ساتھیوں کو دے دیتی تھی۔

آخر کار طویل جدوجہد اور تعاقب کے بعد امریکی پولیس نے میریا کو جا لیا اور حراست میں لے لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب روز و شب کی رنگین محفلوں، عیش و عشرت اور شراب کے کثرتِ استعمال نے اس کی صحت تباہ کر دی تھی۔ نشے کی لت نے اسے مریض بنا دیا تھا لہٰذا بیماری کے باعث اس پر مقدمہ نہ چلایا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں طویل علالت کے بعد وہ قید خانے ہی میں مر گئی اور یوں ایک خاندان کی وجاہت کا دیا گل ہو گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

باندا

یہ جاسوس عورتوں کی صفوں میں ایک نام کا اضافہ ہے۔ بات چنداں تعجب خیز نہیں کہ ایسٹ انڈیز کی ایک بانکی جاسوسہ کو دوسری عالمی جنگ کے دوران میں ماتا ہری کی صاحبزادی گردانا گیا لیکن حقیقت اس سے مختلف تھی۔ باندا نسل کے اعتبار سے یورپین تھی۔ اس کا باپ انڈونیشیا کا باشندہ تھا، ماں یورپین تھی۔ اگر باندا کی ماں سچ مچ ماتا ہری تھی تو پھر جاسوسی کا آخری کارنامہ سرانجام دیتے وقت اس کی عمر پچاس سال ہوتی حالاں کہ اس کے بارے میں جو کہانیاں قلم بند کی گئی ہیں بیشتر میں اسے حسین و رعنا جوان عورت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس زمانے میں اس کی زندگی رومان افروز تھی ——— حسن و رعنائی اور رومان تو عہدِ جوانی ہی میں ہوتے ہیں۔

ماتا ہری کی ایک لڑکی تھی جس کا نام جین لوئیس تھا لیکن وہ اسے نون کہتی ——— نون ۱۸۹۸ء میں جاوا کے مقام پر پیدا ہوئی اور بیگ میں، جہاں آج کل عالمی عدالت اجلاس کرتی ہے، ایک مدرسے کی

معلمہ ہو گئی۔ اس نے ۱۹۱۹ء میں وفات پائی۔ دوسری عالم گیر جنگ میں وہ کس طرح زندہ ہو گئی اور وہ بھی جوانی کے روپ میں، ایک بعید از قیاس بات ہے اور امید کے خلاف بھی کہ ماتا ہری نے اپنے شوہر کے علم کے بغیر جاوا میں کوئی حرام کی بچی جنی ہو گی ——— ۱۹۰۲ء میں جب وہ ہالینڈ واپس آئی تو اس کے شوہر نے علیحدگی اختیار کر لی اور ۱۹۰۶ء میں طلاق ہو گئی۔ اس عرصے میں اس کے شوہر نے کبھی اس سے اس کی شکایت کی اور نہ کسی حرام کی بچی کا ذکر کیا۔ میکلوڈ ایسی باتوں کو دل سے برا سمجھتا تھا۔ اگر ماتا ہری کے حرامی بچہ جننے کی بات ہوتی تو وہ اس کے منہ پر طمانچہ ضرور مارتا۔ لہٰذا بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ باندا کے ماتا ہری کی بیٹی ہونے کی کہانی کو سرے ہی سے مسترد کر دیا جائے۔ یہ داستان قلم کار دل کی جدتِ تخیل کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے اور بالکل من گھڑت ہے۔ شاید ماتا ہری کی موت کے ربع صدی بعد قلم کار دل نے بڑی محنت سے یہ داستان تراشی ہے۔

یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر ہے کہ باندا ہر لحاظ سے ایک یوریشی حسینہ تھی۔ ابھی وہ بیس برس کی بھی نہ ہوئی تھی کہ ہالینڈ کے ایک رئیس کی منظورِ نظر ہو گئی جس کی عمر ساٹھ سال سے اوپر تھی۔ اس نے باندا کو بڑی سے بڑی آسائش مہیا کی، اسے رانی بنا کر رکھا اور اس سے بیویوں کا سا سلوک کیا۔ بظاہر وہ اس کی ذات سے کامل طور پر مطمئن تھی اور ۱۹۲۵ء تک ہنسی خوشی اس کے ساتھ رہی۔ اس کے بعد اس کا انتقال

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوگیا اور اس کی ساری دولت باندا کے ہاتھ آگئی۔

اب باندا ایک آزاد اور دولت مند عورت تھی۔ بٹاویہ میں وہ تہذیبی محفلوں میں خاصی شہرت رکھتی تھی، سحر انگیز دل فریبی اور شائستگی میں مشہور تھی۔ مشرق کے بارے میں وہ بڑی معلومات رکھتی۔ ۱۹۳۹ء میں جب یورپ جنگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آیا تو باندا کا ایوان غیر ملکی سفیروں کا مرکز بن گیا۔ جاسوس اور صحافی بھی اس کے ہاں آتے جاتے۔ ۱۹۴۱ء میں جاپانیوں نے ملایا اور ایسٹ انڈیز پر قبضہ کرلیا تو اس کا ایوان جاپانی حکام کی آماجگاہ بن گیا۔ اس پر ناقابلِ برداشت حد تک دباؤ ڈالا جانے لگا اور فاتحین کی امداد کے لیے مجبور کیا گیا لیکن انڈونیشی خفیہ تحریک کے ارکان نے اس کی خدمات حاصل کرلیں اور وہ دوطرفہ جاسوس بن گئی۔ اس نے جاپانیوں کی امداد کا ڈھونگ رچایا تھا درانحالیکہ وہ انڈونیشیا کے لیے ان سے معلومات حاصل کرتی اور انڈونیشی خفیہ تحریک کے ارکان ان معلومات کو امریکہ منتقل کردیتے۔ اس طرح اس نے امریکی بحرالکاہلی کمان کے لیے کافی قیمتی معلومات فراہم کیں۔

جنگ کے بعد ہالینڈ کے لوگ اپنی بستیوں کو لوٹ گئے۔ اب نوآبادیوں کے دن پلٹ چکے تھے۔ اور انڈونیشیا کی تحریکِ آزادی کو کچلا نہ جاسکتا تھا ہالینڈ کے لیے اب اسے غلام بنائے رکھنا ممکن نہ تھا قوموں میں جب آزادی کا شعور پیدا ہوتا ہے اور وہ غلامی کی زنجیریں

جھٹکنے لگتے ہیں تو پھر دنیا کی بڑی سے بڑی سامراجی طاقت بھی ان کے مقابل ٹھہر نہیں سکتی۔ یہ ہالینڈ کے حکام کی حماقت تھی کہ انہوں نے تاریخ کے دھارے کو موڑنے کی کوشش کی اور اس سیلِ آتش کے سامنے آکھڑے ہوئے جو سامراج کو جلانے کے لیے انڈونیشیا کے ایک سرے سے اُمڈ کر دوسرے سرے تک جا پہنچا تھا۔ باندہ نے اس موقع پر بڑا کام کیا۔ اس نے انڈونیشیا کی تحریکِ حریت کے ہیرو اور سربراہ کا ساتھ دیا انہیں ہالینڈ کے فوجی منصوبوں کے بارے میں ہر قسم کی معلومات فراہم کیں نتیجہ یہ نکلا کہ ہالینڈ کی ساری چالیں دھری کی دھری رہ گئیں اور وہ انڈونیشیا پر اپنا قبضہ قائم نہ رکھ سکا ——— اب انڈونیشیا اپنے عظیم رہنما اور نجات دہندہ کی قیادت میں آزادی سے ہم کنار ہو چکا تھا۔

امریکہ نے جب باندہ کی کارگذاریاں دیکھیں تو اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا اور اسے دعوت دی کہ وہ امریکی شعبۂ سراغ رسانی میں شامل ہوجائے اور پھر اس نے اسے سی۔ آئی۔ اے (امریکی سراغ رساں ایجنسی) کی طرف سے اشتراکی چین بھیج دیا۔ یہ بڑا کٹھن کام تھا اور خود کو کانٹوں میں گھسیٹنے کے مترادف تھا۔ اس کے لیے غضب کی جرأت اور حوصلہ درکار تھا۔ باندہ میں جرأت تو ضرور تھی تاہم وہ ڈرتی تھی ایک بات اس کے حق میں ضرور جاتی تھی۔ وہ یہ کہ اس کے خط و خال منگولوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے سے تھے اور وہ اپنی شکل و شباہت سے چینی لگتی تھی۔ جو اس کے لیے ایک بڑا سہارا ثابت ہوا اور تھی بھی یہ ایک ایسی بات جس سے ہر کوئی دھوکا کھا جاتا کیوں کہ اس میں آدمی کے بجائے قدرت کا عمل دخل تھا۔

باندہ کو وہاں اپنی صورت ہی کی بدولت کامیابی نصیب ہوئی اور وہ چین کی اشتراکی فوج اور روسی اسلحہ کی فراہمی کے بارے میں امریکیوں کو مطلع کرتی رہی۔ آزادی کی جنگ کے دوران ہمیشہ کچھ نہ کچھ افراتفری اور ہنگامہ آرائی تو پائی ہی جاتی ہے اور جاسوس اسی افراتفری اور ہنگامہ آرائی میں اپنی راہ بناتے ہیں۔ چنانچہ باندہ نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا۔

۱۹۵۰ء میں نئی صورت حال پیدا ہوئی۔ کوریا میں گڑبڑ ہوئی اور شمالی کوریا کے حملے کی خبر ملی۔ امریکی، جو ہر ملک کے اندرونی حالات میں مداخلت کرتے ہیں، اس موقع پر بھی خاموش نہ رہ سکے، انہوں نے باندہ کو شمالی کوریا بھیج دیا۔

کوریا میں اس کی تقدیر کا پانسہ پلٹ گیا، بڑے ڈرامائی انداز میں اس کا کام تمام ہوا اور اس کی ساری فراست دھری کی دھری رہ گئی ——— اس نے شمالی کوریا کے فوجی صدر دفتر میں جگہ نکال لی تھی اور صدر دفتر میں کام کر رہی تھی کہ ایک ایسے شخص سے اس کی ملاقات ہوئی جو کبھی جاوا میں اس کے تحت کام کرتا تھا۔ وہ باندہ کی کرتوتوں سے اچھی طرح آگاہ تھا اور انڈونیشی اشتراکی ہونے کی حیثیت سے شمالی کوریا میں اشتراکی جاسوس کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اس نے باندہ کا بھانڈا پھوڑ دیا اور حکام کو اس کے بارے میں معلومات فراہم کر دیں ——— وہ گرفتار کر لی گئی اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اسے گولی مار دی گئی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

4 AUG 1973

پرل ہاربر کی بدنام جاسوسہ

رُوتھ ـــــ رُوتھ کیوئن خاندانی جاسوسہ تھی اور جاسوسوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتی تھی جو ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۱ء تک ہوائی میں اقامت پذیر رہا۔ انہی لوگوں کے اشاروں اور انہی کی اطلاعات پر جاپانیوں نے ۷ دسمبر ۱۹۴۱ء کو پرل ہاربر میں امریکی بحری بیڑے پر حملہ کیا۔ امریکہ اب تک دوسری عالم گیر جنگ میں شریک ہونے کے لیے پر تول رہا تھا اب وہ بھی رہ نہ سکا۔ اور پرل ہاربر کے حملے کے بعد ہی وہ جنگ کی آگ میں کود پڑا۔

رُوتھ فخریہ کہتی تھی کہ وہ ایک ماہر جاسوسہ ہے اور اس کا یہ دعویٰ غلط بھی نہ تھا۔ پرل ہاربر کے کارنامے میں اس کی جاسوسی کو بڑا دخل تھا۔ اس سلسلے میں کسی حد تک داستان کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ مگر یہ حقیقت بھی ہے کہ اس کے بیشتر معاملات میں رومان کا عنصر بھی شامل تھا۔

رُوتھ ایک جرمن حسینہ تھی۔ اتنی خوب صورت کہ زاہدوں کے عمامے اور شاہوں کے تاج اتروا سکتی تھی اور اسی لیے تو نازی وزیر

نشر و اشاعت جوزف گوئبلز اس کے دامِ حسن میں پھنس گیا تھا۔ یہ ۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے پھر نہ جانے اس سے کیوں اس کے تعلقات منقطع ہو گئے اور رُوتھ کو اپنے خاندان سمیت فوراً جرمنی کو خیرباد کہنا پڑا۔

رُوتھ کا سوتیلا باپ ڈاکٹر برنارڈ جولیس اڈولف کیوئن پہلی جنگِ عظیم میں جرمنی کے بحریہ میں رہ چکا تھا بعد ازاں ڈاکٹری کرنے لگا تھا لیکن اس میں اُسے چنداں کامیابی نہ ہوئی تھی۔ وہ نازی جماعت کا بڑا پرانا رکن تھا چنانچہ ہیڈریخ کی ماتحتی میں ہٹلر کے شعبۂ سراغ رسانی میں کام کرنے لگا۔ اس کو امید تھی کہ وہ جلد ہی شہر کاکوتوال بنا دیا جائے گا مگر سارا انتظام ہی درہم برہم ہو گیا اور جماعت کی ہدایت پر اسے کرۂ ارض کی دوسری سمت جانا پڑا۔ اس کی بڑی وجہ رُوتھ کی شرانگیزی تھی اور گوئبلز سے اس کے تعلقات نے یہ گل کھلائے تھے۔

ان لوگوں کی تعیناتی جاپان میں ہوئی تھی تاکہ وہاں جا کر جاپانی زبان سیکھیں اور مقامی لوگوں میں خلط ملط ہو جائیں۔ جرمنی جاپان کو اپنا اتحادی بنانا چاہتا تھا۔ رُوتھ کے خاندان کی آمد اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی وہ جاپان آکر بہت جلد مالدار ہو گئے۔ اور ۱۹۳۵ء میں ہوائی میں چلے آئے ـــــ اب ان کی مالی حالت مستحکم تھی اس لیے یہاں کافی عرصے تک ٹھہرنے کا ارادہ رکھتے تھے اسی لیے انہوں نے اس مقام پر ایک جائیداد خرید لی۔ ڈاکٹر کیوئن نے خود کو انسانیات کا متعلم ظاہر کیا اور بتایا کہ وہ پولی نیشیائی ثقافت پر جاپانی اثرات کا مطالعہ کرنے آیا ہے یہ لوگ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مہذب اور جاذبِ توجہ تھے لہٰذا ہوائی میں ان کا خیر مقدم کیا گیا۔

رُوتھ نے خصوصیت سے مقبولیتِ عامہ حاصل کر لی ——— امریکہ کا بحرالکاہل بیڑہ اسی جگہ لنگر انداز تھا۔ انہیں جرمن حسینہ کا پسندیدہ لب و لہجہ لبھا گیا۔ ہوائی کی خواتین نے بھی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ——— رُوتھ بڑی مہذب تھی اور اس کا گھر بھی بڑا نفیس تھا۔ جس میں اس نے فن کے بڑے عمدہ عمدہ نمونے جمع کیے تھے۔ تین سال میں ہونولولو کے بنک میں ان کے ستر ہزار ڈالر جمع ہو گئے۔ مادام برنارڈ گیوئن وقتاً فوقتاً جاپان جاتی اور ڈھیروں روپیہ لے کر آتی۔ اس روپے کے عوض ٹوکیو کو امریکی بحریہ سے متعلق مسلسل معلومات فراہم کی جاتیں اور کانفرنس کی نقلیں برابر برلن پہنچتی رہتیں۔ جس طرح روپے کا تانتا بندھا تھا اسی طرح معلومات کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

یورپ میں جنگ چھڑی تو جاپان کی بحرالکاہل میں مقیم بحریہ کی صورتِ حال کے بارے میں دلچسپی بڑھ گئی۔ حکومتِ جاپان نے اصولاً فیصلہ کر لیا کہ وہ جرمنی کا ساتھ دے گی۔ ہٹلر نے ۱۹۴۱ء میں روس پہ ہلّہ بول دیا۔ اِدھر روس کی ساری توجہ مغرب کی جانب مبذول ہوئی، اُدھر جاپان نے جنوب مشرقی ایشیا کو اپنی توجہ کا نشانہ بنا لیا۔ جاپان کو معلوم تھا کہ اپنے عزائم پورے کرنے کے لیے سب سے پہلے اس امر کی ضرورت ہے کہ بحرالکاہل میں امریکی بیڑے کا زور توڑا جائے۔ اسی لیے پرل ہاربر پہ حملہ کیا گیا۔ یہ حملہ جاپانی بحریہ کے امیرالبحر یاماموتو

کا کارنامہ تھا

حملے سے پہلے تمام امور کا جائزہ لیا گیا، اچھی طرح منصوبہ بندی کی گئی تو قرار پایا کہ ایسے موقع پر حملہ کیا جائے جب امریکی بحریہ کے زیادہ سے زیادہ جہاز پرل ہاربر میں موجود ہوں۔ اس ضمن میں معلومات حاصل کرنے کے لیے رُوتھ نے ایک مرکزِ حسن کھول لیا جہاں امریکی بحریہ کے حکام کی بیویاں آتیں۔ عورتیں کہاں چپ رہنے والی تھیں۔ یہاں کام کم ہوتا باتیں زیادہ۔ رُوتھ باتوں کی خاطر ہی کام کرتی۔ ہر ایک سے باتیں کرتی ہر ایک کی باتیں سنتی اور ان باتوں میں اسے وہ سب کچھ مل جاتا جس کے لیے جاپانی اس قدر بے تاب تھے اور منہ مانگی قیمت دے رہے تھے ——— رُوتھ اور اس کی ماں دونوں ہی معلومات اکٹھی کرتیں۔ امریکی حکام کی نقل و حرکت، بندرگاہ میں آنا اور وہاں سے جانا ان کی بیویوں کا پسندیدہ موضوعِ گفتگو تھا۔ وہ تو بس اپنے شوہروں کے آنے یا جانے ہی کی باتیں کرتیں۔ اس طرح بالواسطہ طور پر امریکی بحریہ کے جہازوں کی آمد و رفت کا پتا چل جاتا۔ جب یہ باتیں جاپانی ماہروں تک پہنچتیں تو وہ امریکی بحریہ کی نقل و حرکت اور اس کے ارادوں کے بارے میں بہت کچھ جان لیتے۔

امریکہ اب تک شریکِ جنگ نہ ہوا تھا۔ بیشتر امریکی اب تک یہی سمجھتے تھے کہ انہیں جنگ کی آگ میں کودنا نہ پڑے گا۔ انہیں یہ بھی خبر نہ تھی کہ جاپان کس قسم کے جارحانہ ارادے رکھتا ہے۔ اسی لیے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پرل ہاربر میں امریکہ کی طرف سے اتنے اچھے حفاظتی انتظامات نہیں کیے گئے تھے۔

اس دوران میں ڈاکٹر کیوئن باقاعدگی سے اپنے دس سال کے لڑکے کو ہمراہ لے کر پرل ہاربر کے اس حصے میں جاتا جہاں حفاظتی دیوار بنائی گئی تھی اور امریکی جنگی جہاز کھڑے رہتے تھے۔ ڈاکٹر کیوئن کے لڑکے نے بہت جلد امریکی جہاز رانوں سے دوستی گانٹھ لی۔ یہ جہاز ران بچے سے گھل مل گئے۔ وہ اسے جہازوں جہازوں لیے پھرتے اور اسے سب کچھ بتا دیتے کہ وہ کہاں کہاں جائیں گے، کب آئیں اور کیا کریں گے۔

اب رُوتھ کے گھر والوں نے ساحل پر ایک مکان خرید لیا جس کا نام "کالا مار" رکھا۔ اس کی چھت ڈھلوان تھی اور اس میں ایک کھڑکی تھی جو سمندر میں میلوں دور تک دکھائی دیتی۔ اس کھڑکی سے جاسوسی کا کام لیا جاتا۔ یہاں سے رُوتھ باقاعدہ جاپانی آبدوز کشتیوں کو اشاروں سے رپورٹیں ارسال کرتی۔ اس مقصد کے لیے وہ ٹوٹی پھوٹی سی کوڈ بھی کام میں لے آتی جو اس کے والد نے وضع کی تھی۔ رات کو خاص خاص اوقات میں کھڑکی میں روشنی کی جاتی مگر ہر بار اس کا مفہوم جداگانہ ہوتا۔ دن کے وقت ساحل پر پڑے ہوئے ملبے کے ٹکڑوں سے اشارے کیے جاتے۔

نومبر ۱۹۴۱ء میں ٹوکیو سرکار نے جنگ کی ٹھان لی، امیر البحر یاماموتو اکتیس جنگی جہاز سمندر میں مناسب مقام پر لے آیا اور پرل ہاربر پر

حملہ کرنے کے لیے وقت کا انتظار کرنے لگا۔ ۶ دسمبر کو ٹوکیو نے بطورِ خاص اصرار کیا کہ پرل ہاربر میں مقیم امریکی جہازوں کی تعداد اور اقسام معلوم کی جائیں۔ رُوتھ کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اس نے مطلوبہ معلومات فراہم کر دیں۔ بڑے بڑے توپ جنگی جہاز جوڑوں میں کھڑے تھے اور ان کا عملہ ہفتے اتوار کی چھٹی منا رہا تھا۔ جہاز آپس میں جڑے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کے قریب ہونے کے باعث ان پر بڑی عمدگی سے ہوائی حملہ کیا جا سکتا تھا۔ حملہ آوروں کے لیے جنگی جہازوں کی اس سے بہتر پوزیشن ممکن نہ تھی۔ پھر جاپانیوں نے رُوتھ سے مزید معلوم کر لیا کہ ان جہازوں پر غبارے تو نہیں ہیں۔ جب ہر طرح تسلی ہو گئی تو ۱۷ دسمبر کی صبح کو حملہ کرنے کے احکام صادر ہو گئے۔

اس رات ہونولولو میں مقیم جاپانی سفارتی عملے کو خبردار کیا گیا کہ جنگ چھڑنے کا فوری امکان ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ رُوتھ کو بھی مطلع کر دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ ایک جاپانی آبدوز کشتی ان سب کو لینے آ رہی ہے۔

پرل ہاربر پر جاپانیوں کا حملہ نہایت سنسنی خیز بھی تھا اور امریکیوں کے لیے تباہ کن بھی۔ دو جنگی جہاز ڈوب گئے، تین ناکارہ ہو گئے، تین کو بری طرح نقصان پہنچا۔ علاوہ ازیں ہوائی جہازوں اور ہلکے بحری جہازوں کی تباہی کا تو کوئی شمار و قطار ہی نہیں ہے۔ حملے میں تین ہزار آدمی مارے گئے جو بیشتر جہاز کے عملے سے تعلق رکھتے تھے۔ حملے میں جاپان کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ساڑھے تین سو بمباروں نے حصہ لیا۔ یہ بمبار دو سو میل دور ہوائی کے شمال سے طیارہ بردار جہازوں سے اڑ کر آئے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ رُوتھ اپنی کھڑکی سے ٹارچ کی روشنی پھینک پھینک کر جاپانی بمباروں کی رہبری کر رہی تھی لیکن کسے گمان تھا کہ جاپانی ہوا باز اتنے ہی نالائق ہوں گے کہ ایسے صاف اور واضح ہدف پر بھی کاری ضرب نہ لگا سکیں گے۔

اب رُوتھ اور اس کے گھر والوں نے بھاگنا چاہا لیکن بھاگ نہ سکے سب کو امریکیوں نے پکڑ لیا۔ ڈاکٹر برنارڈ کیوئن کو پہلے موت کا حکم سنایا گیا پھر یہ سزا پچاس سال کی قید میں بدل دی گئی۔ اس میں سے بھی اس نے صرف چار سال کی سزا کاٹی ۱۹۴۶ء میں اسے وہاں سے نکال دیا گیا۔ رُوتھ اور اس کی ماں کو جیل میں تو نہ بھیجا گیا تاہم جنگ کے خاتمے تک نظر بند رکھا گیا۔ بعد ازاں جرمنی بھیج دیا گیا۔

امریکہ کے مہذب جاسوسی طبقے میں پرل ہاربر کے حملے کی نسبت بڑی دل چسپ قیاس آرائی کی گئی۔ اس قیاس آرائی کا مقصد یہ تھا کہ رُوتھ اور اس کے خاندان کے کارنامے کی اہمیت کم کی جائے اور یہ تاثر دیا جائے کہ وائٹ ہاؤس (امریکی ایوان صدر) نے خود ہی حملے کی راہ ہموار کی تھی تاکہ نیم دل امریکی جنگ کی آگ میں کود پڑیں۔ اربابِ اختیار کے نزدیک امریکہ کو جنگ میں دھکیلنے کی یہی صورت تھی۔ وہ

چاہتے تھے کہ نازی ازم کو ختم کیا جائے ورنہ امریکہ کے توسیعی عزائم رائگاں جائیں گے۔ ہٹلر وقت کی بہت بڑی قوت تھا اور امریکا اس قوت کو مٹانے کے درپے تھا۔ ہوائی پر جاپان نے جو حملہ کیا تھا اسی کی آڑ لے کر امریکیوں کو نازیوں کے خلاف صف آرا کر دیا گیا۔ گمان غالب ہے کہ جاپانی حملے پر واشنگٹن میں خاصا اظہارِ مسرت کیا گیا ہوگا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خوف ناک بلّی

میتلدا کار

دوسری جنگِ عظیم کے دوران عورتوں کے لیے جاسوسی کے کام میں پہلی سی کشش اور چمک دمک نہ رہی تھی۔ اب یہ کام مقابلۃً زیادہ دشوار ہو چکا تھا۔ مقبوضہ یورپ میں جرمنی کا اقتدار تھا اور ان کے علاقے میں وہی عورت جاسوسی کر سکتی تھی جسے قدرت نے غیر معمولی صلاحیت دی ہوتی اور جو بلا کی حوصلہ مند ہوتی۔ اب ناکامی اور گرفتاری کی صورت میں ایک دم گولی نہ ماری جاتی بلکہ جاسوسوں کو کیمپ میں بھجوا دیا جاتا جہاں ان سے تمام راز بہر طور اگلوا لیے جاتے۔ اب جاسوسی لکھ پتی بننے کا سہل نسخہ نہ تھا بلکہ ایک تلخ حقیقت تھی جس میں قدم قدم پر مہلک خطرات تھے، کشش کا کوئی مقام نہ تھا۔ عورت کو صرف شدید جذبۂ حبِ وطنی ہی جاسوسی پر آمادہ کر سکتا تھا۔

چناں چہ میتلدا کار نے خوب سوچ سمجھ کر یہ پیشہ اختیار کیا تھا اور اس کا نام "بلّی" پڑ گیا تھا ——— اور یہ اس کی صلاحیت تھی کہ

جاسوسوں کے حلقے میں اکثر اس کی ذات موضوعِ بحث بنی رہی۔

وہ ۱۹۰۸ء میں متوسط درجے کے گھرانے میں پیدا ہوئی۔ اس کا باپ سول انجینئر تھا۔ کار کو باقاعدہ تعلیم دی گئی۔ اپنی عمر کی دوسری دہائی میں وہ بڑی ہوشیار اور ذہین طالبہ سمجھی جاتی تھی اٹھتی جوانی ہی سے اس کی دل فریب شکل و صورت لڑکوں کو اپنی جانب مائل کرتی اور وہ ان کے جذبات برانگیختہ کیا کرتی تھی۔ اس کے کالے کالے بال، بڑی بڑی سبز آنکھیں ہونٹوں پر ایک عجیب قسم کی جاذبیت کچھ اتنی جان لیوا تھی کہ دوست آشناؤں کا تانتا بندھ گیا۔ آخر کار اس نے مَوریس کار سے بیاہ رچا لیا۔ یہ شخص معلّم تھا۔ اس کے ہمراہ وہ الجزائر چلی گئی اور خود بھی معلّمہ بن گئی۔ لیکن یہ شادی ناکام رہی۔ مَوریس نے ایک نہایت خطرناک غلطی کی تھی، وہ عورت کے قابل نہ تھا۔ یہ ایک ایسا راز تھا جو بیاہ کے بعد چھپ نہ سکتا تھا۔ ادھر موریس کی یہ حالت اور ادھر میتلدا اولاد کے لیے تڑپتی تھی۔ آخر یہ صورتِ حال ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ مَوریس سخت مشکل میں تھا۔ ایک طرف وہ بیوی پر بری طرح فریفتہ تھا۔ دوسری طرف اس کی خواہش پوری کرنے سے قاصر تھا۔ صورتِ حال کو اچھی طرح سمجھتا تھا پھر بھی اس کو کسی قیمت پر چھوڑنا چاہتا اور رکھنے کی اس میں صلاحیت نہ تھی۔ آخر مرتا کیا نہ کرتا، اس نے جوا کھیلا اور ایک ترکیب نکالی۔

ایک مسلمان نوجوان ان کے ہاں آیا جایا کرتا اور ان کا دوست بن گیا تھا۔ مَوریس نے اسے اپنا ہمراز بنایا اور کسی نہ کسی طرح اسے اپنی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بیوی کی زندگی میں شریک کر لیا۔ میتدا کی جنسی طلب شدت اختیار کر چکی تھی۔ وہ محبت کی بھی بھوکی تھی چناں چہ اس نے نیا بندوبست قبول کر لیا لیکن گاڑی اس پر بھی چل نہ سکی۔ تمریس کو ۱۹۳۹ء میں لام پر جانا پڑا جس کے نتیجے میں ازدواجی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ میتدا فرانس چلی گئی اور فوج میں نرس کے طور پر بھرتی ہو گئی۔

جنگ میں جب فرانس نے ہتھیار ڈالے اور جرمنی کا غلبہ قبول کیا تو وہ طولاؤس کے مقام پر تھی جہاں اس کی ملاقات رومن زریادسکی سے ہوئی۔ یہ شخص پولینڈ کے فضائیہ میں اسٹاف آفیسر کے عہدے پر مامور تھا۔ لڑائی میں جرمنوں نے اسے قیدی بنا لیا مگر آدمی چالاک، بے باک اور ہمت والا تھا وہ ترکیب لڑا کر کیمپ سے بھاگ نکلا، فرانس میں آکر پناہ گزیں ہوا اور وہاں جاسوسی کا جال پھیلانے کی کوشش کرنے لگا ——— برطانیہ کے شعبۂ سراغ رسانی سے اس کا تعلق تھا اور اب وہ فرانس میں میدان ہموار کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے میتدا سے مدد طلب کی اور میتدا اس پر رضامند ہو گئی۔ اب دونوں وشی کے مقام پر چلے گئے جہاں ابھی جرمنوں نے قبضہ نہیں کیا تھا۔ فرانس کا شعبۂ سراغ رسانی بظاہر جرمنوں سے تعاون کر رہا تھا مگر حقیقتاً اس تاک میں تھا کہ دشمن کے خلاف کام کرنے والی کوئی خفیہ تنظیم معرضِ وجود میں آئے تو وہ اس کی حوصلہ افزائی کرے چناں چہ اس شعبے نے کسی طرح میتدا سے رابطہ قائم کر لیا اور اس کو دشمن کے خلاف خفیہ کارروائی پر آمادہ

کر لیا ——— جس کے بعد اسے مختصر طور پر جاسوسی کا کام سکھایا گیا۔

خوف ناک بلی کا نام اسے ایک امریکی صحافی نے دیا تھا جو ان ہولناک ایام میں دوسرے صحافیوں کی طرح وشی میں مارا مارا پھر رہا تھا۔

اور دراصل وہ تھی بھی ایک بلی ہی۔ آنکھیں سبزی مائل، کرسی پر بلی کی طرح سکڑ کر بیٹھتی اور لمبے لمبے ناخنوں سے چسمی آستین کھرچتی رہتی۔ یہ نام ایسا چلا کہ خفیہ تنظیم میں باضابطہ طور پر کام میں آنے لگا ——— رومن زریادسکی نے اپنا نام آرمنڈ رکھ لیا۔

آخر بلی اور آرمنڈ دونوں پیرس چلے آئے تاکہ وہاں جاسوسی کا جال پھیلائیں۔ ان دنوں یہ ایک جان جوکھوں کا کام تھا کیوں کہ جرمن ہر جگہ فتح یاب ہو رہے تھے۔ ہر جگہ ان کا قبضہ ہوتا جا رہا تھا۔ لے دے کے بس ایک برطانیہ تھا جو تنہا ان سے لڑ رہا تھا۔ پھر فرانس میں اس کا کوئی جاسوس بھی نہ تھا۔ بلی اور آرمنڈ نے پہل کی تھی اور اب یہ خفیہ تنظیم کے رہبر تھے۔ پیرس میں انھوں نے ایک سٹوڈیو کرائے پر لیا۔ دیوار پر نقشے آویزاں کیے تاکہ ان کے خطرناک اقدامات کے نتائج اور ان کی رفتارِ کار کا پتا چل سکے حالاں کہ یہ طریقہ بڑا غیر دانش مندانہ تھا اور حقیقت میں انھوں نے احتیاط کا کوئی پہلو اختیار نہیں کیا تھا۔ شروع شروع میں تو انھیں خبر تک نہ ہوئی کہ وہ کتنا خطرہ مول لے رہے ہیں پھر آہستہ آہستہ احساس ہونے لگا۔

آخر ان کی سرگرمیاں رنگ لائیں اور انھوں نے لندن سے رابطہ قائم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کر لیا۔ اب وہ جرمنی کی فوجوں کی نقل و حرکت اور ہوائی مستقر کے بارے میں اطلاعات بھیج رہے تھے ـــــ جرمنی کے جہاز فرانس کے مستقر سے اڑان بھر کر جاتے اور لندن پر بمباری کرتے تھے۔

آگے چل کر خفیہ تنظیم میں رینی بورنی نام کی ایک لڑکی شامل ہوئی تو بلّی ایک دم بھڑک اٹھی۔ اسے بورنی سے سخت حسد ہونے لگا۔ کیونکہ اس نے اور آرمنڈ نے جو کام شروع کیا تھا بہت پھیل چکا تھا چنانچہ لندن کے شعبۂ خاص کی انتظامیہ نے اس کا کنٹرول سنبھال لیا تھا جو آرمنڈ کو چوری چھپے اڑا کر لندن لے جاتا جہاں شعبۂ خاص کے حکامِ اعلیٰ سے اس کی ملاقات ہوتی۔

خفیہ تحریک کی تاریخ میں کرنل مارسل آرنلڈ کا نام بھی آتا ہے۔ بلّی کچھ مدت تک پیرس میں اس کے ساتھ بھی کام کرتی رہی تھی۔

رینی بورنی کی آمد بلّی کے لیے قیامت سے کم نہ تھی۔ بساط ہی الٹ گئی۔ آرمنڈ اس پر فریفتہ ہو گیا اور رینی بورنی اس کی محبوبہ بن گئی۔ بلّی اس سے حسد تو کرتی تھی اس کے ساتھ ہی ساتھ ڈرتی بھی تھی۔ ڈرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ خفیہ تحریک کو درہم برہم کرنے پر تل گئی تھی۔ اسی اثنار میں جرمن سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا۔ رینی بورنی نے اس کی شناخت کی اور وہ ایک تنگ و تاریک، سرد اور مرطوب حجرے میں بند کر دی گئی۔ جہاں خوف و ہراس کے سوا کچھ نہ تھا۔ آخر شعبۂ سراغ رسانی کا ایک افسر ہیوگو بلیچر اس کے آڑے آیا۔ یہ شخص دراز قد اور تنومند تھا۔ چالیس کے پیٹے

میں تھا۔ اس کی مہربانی سے بلّی کو ایذا نہیں پہنچائی گئی۔ اور صاف اور واضح الفاظ میں اس سے کہہ دیا گیا کہ اس کے لیے دو ہی راستے ہیں، بندوق کا نشانہ بنے یا پھر جرمنوں کو اتحادیوں کی سرگرمیوں سے آگاہ کرے۔

جان کسے پیاری نہیں ہوتی؟ بلّی نے جرمنوں کا جاسوس بننا قبول کر لیا اور ہیوگو بلیچر کی داشتہ بن گئی۔ اس کی اطلاعات پر فرانس کی خفیہ تنظیم کے بہت سے ارکان ایک ایک کر کے پکڑ لیے گئے۔ انہیں کیمپوں میں بھیج دیا گیا جہاں وہ ہلاک کر دیے گئے۔

بلّی کا راز اب تک فاش نہ ہوا تھا۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے جرمن جاسوسہ کا کردار ادا کیا تھا اور ادھر اتحادی اسے اپنی جاسوسہ سمجھتے تھے۔ انہیں خبر نہ تھی کہ انہی کی صفوں میں ایک غدار عورت بھی موجود ہے اور چالاک ہیوگو بلیچر بڑی صفائی سے بلّی چوہے کا کھیل کھیل رہا ہے۔

بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی۔ آخر بلّی کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اس کے فرانسیسی ہمکار اس کی خوفناک شرارت کو سمجھ گئے۔ پہلے تو انہوں اسے مار ڈالنے کا منصوبہ بنایا پھر ڈر گئے کیوں کہ اسے جرمنوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ وہ ہر وقت اس کی حفاظت کرتے۔ آخر انہوں نے سوچ سمجھ کر ایک نئی ترکیب لڑائی ـــــ یہ تو سب کو معلوم ہی ہو چکا تھا کہ وہ دُہری جاسوسہ ہے۔ جرمنوں کے لیے بھی کام کرتی ہے اور فرانس کے وطن پرستوں کی خفیہ تنظیم کے لیے بھی۔ کچھ دنوں بعد فرانسیسی ہمکاروں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے اس سے کہا کہ وہ ان کے ہمراہ لندن چلی چلے اور برطانیہ کے لیے بھی جاسوسی کرے۔ بلّی نے ہیوگو فلیچر سے مشورہ کیا جس نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔

فروری ۱۹۴۲ء میں بلّی لندن پہنچ گئی۔ اس کے ہمراہ لوکس نامی ایک جاسوس بھی آیا۔ یہاں اسے ایک نہایت آرام دہ فلیٹ میں ٹھہرایا گیا، اس کی نگرانی کی جاتی رہی ایک مدت تک مسلسل اس سے پوچھ گچھ کی گئی مگر اصل کیفیت کسی طرح نہ کھل سکی۔ صحیح حال تو اس وقت معلوم ہوا جب لوکس واپس گیا اور جرمنوں نے اسے پکڑ لیا۔ اب انہیں بلّی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا اور وہ جنگ کے اختتام تک نظر بند رہی اس کے بعد فرانس بھیج دی گئی جہاں اسے فرانس کی حکومت نے غدّار کے طور پہ گرفتار کر لیا۔

۱۹۴۹ء میں اس پر مقدمہ چلا جو نہایت سنسنی خیز ثابت ہوا۔ جو شخص بھی اس سے آگاہ تھا اس نے اسے مطعون کیا۔ البتہ کرنل مارسل آرکمرڈ نے اس کے حق میں گواہی دی۔ یہ وہی شخص تھا جس کے ساتھ بلّی نے کچھ روز کام کیا تھا۔ آرکمرڈ نے بیان کیا کہ بلّی اس کے خفیہ مسکن سے آگاہ تھی لیکن اس نے ہیوگو بلیچر کو اس کا پتا نہیں بتایا حالاں کہ ہیوگو بلیچر نے بہت پوچھا مگر اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ اور قسم کھا کر کہا کہ اسے آرکمرڈ کی جائے پناہ کا علم نہیں۔ یہ درست ہے کہ

وہ تین ملکوں کے لیے جاسوسی کرتی رہی ہے۔ لیکن فرانس سے اس کی وفاداری غیر مشتبہ ہے۔

استغاثے کی کہانی کے مطابق بلّی نے دو ماہ تک بدترین قسم کی غدّاری کا ثبوت دیا تھا۔ اور بد طینتی، مکاری اور شر پسندی کا مظاہرہ کیا جیسے اس کے پاس دماغ تو تھا لیکن دل نہ تھا اور وہ حبِ وطن کے جذبے سے بالکل عاری تھی۔ اسے اپنوں سے ذرا بھی ہمدردی نہ رہی تھی بلکہ وہ ہاتھ دھو کر ان ممبانِ وطن کی جان کے پیچھے پڑ گئی تھی جو دشمن کے خلاف آزادی کی جدوجہد میں ہمہ تن مصروف تھے۔ یہ عورت نہیں تھی، پتھر کا ٹکڑا تھی اور اپنے وجود سے اپنوں کا سر پھوڑ رہی تھی۔

ہر الزام درست تھا اور انکار کی گنجائش نہ تھی۔ استغاثے کے وکیل نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی تھی اور چاروں طرف سے بری طرح گھیر لیا تھا۔ دق ہو کر بلّی کے وکیل نے کہا، "یہ سب سچ ہے۔ میں اس کا جرم تسلیم کرتا ہوں لیکن اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ یہ بے چاری زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑی تھی۔ اپنی جان بچاتی یا موت کا شکار بنتی۔ ہر انسان ایسی نازک گھڑی میں زندگی کا انتخاب کرتا ہے۔ اور موت سے بچنے کی سعی کرتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے اور انسانی فطرت کو کبھی کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ واضح رہے کہ جب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دشمن کے خلاف خفیہ تحریک کا آغاز ہوا تھا تو بلی اس کی ہیروئن تھی ۔ اسی نے اس کی بنیادیں کھڑی کیں اور پھر انہیں استحکام بخشا ۔ اگر وہ یہ انتہائی مشکل کام نہ کرتی ، ابتدا میں جس کی اشد ضرورت تھی ، تو دشمن کے مقابلے کی خفیہ تنظیم معرض وجود ہی میں نہ آتی ۔ کیا اس کی ان خدمات کا ذرا پاس نہ کیا جائے گا ؟ اور صرف اس لیے اسے گولی مار دی جائے گی کہ حالات اس کے اختیار سے باہر ہو گئے تھے اور مجبوریوں نے اسے جکڑ لیا تھا —— میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر حالات پلٹا نہ کھاتے تو وہ کبھی اپنے موقف سے انحراف نہ کرتی ۔ کیا ملک انہیں ہلاک کرنا چاہتا ہے جنھوں نے ایمان اور وفا کا بیج بویا ؟ ۔

۱۹۴۹ء کا فرانس اس سے سخت برہم تھا ۔ وہ بلی کی ان خدمات کا اعتراف کرنے پر تو آمادہ تھا جو اس نے قومی خفیہ تحریک کے آغاز میں انجام دی تھیں ۔ مگر ان حرکات کی گرفت کرنے پر بھی تلا ہوا تھا جو اس سے ہیوگو بلیچر کے ایما پر سرزد ہوئی تھیں ۔ آخر عدالت نے اسے سزائے موت کا حکم سنا دیا پھر بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو معاملات کو ٹھنڈے دل سے سوچتے تھے آخر صدر مملکت نے سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا ۔ پانچ سال گزرے تو وہ شعلے بھی سرد پڑ گئے جو جنگ نے بھڑکائے تھے ، شکست کی ذلت کا احساس بھی جاتا رہا اور ۱۹۵۴ء میں اسے رہا کر دیا گیا ۔

اس طرح مستقلاً کسی طرف کی نہ رہی ۔ اس کو نہ تو وطن پرست کے طور پر قبول کیا گیا اور نہ ہی غداری کی قرار واقعی سزا ہی ملی اور اس کے بعد بھی اس کی زندگی کچھ سکون بخش نہ رہی ۔ اس کی نظر کمزور پڑتی گئی اور وہ تنہائی میں کڑھ کڑھ کر جیتی رہی ۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرسٹین گرین وِل

اس عورت کا اصل نام کرسٹینا سٹاربیک تھا لیکن انگلستان میں کرسٹین گرین ول کے نام سے مشہور تھی ویسے بھی جاسوس اپنا نام اُلٹتے بدلتے رہتے ہیں ـــــــــ صورت کی شناخت تو ایک علیحدہ بات ہے ورنہ نام بدل کر آسانی سے دھوکا دیا جاسکتا ہے اور شناخت سے بچنے کے بھی بعض آسان اور سہل طریقے ہیں۔ کرسٹین میں دو وصف بدرجہ اتم تھے۔ ایک تو وہ حسین تھی، دوسرے بلا کی حوصلہ مند جنگ کے ایام میں اس نے جاسوسہ کی حیثیت سے کام کیا، دشمن کی صفوں میں تخریبی کارروائیاں کیں اور مقابلے کی خفیہ تحریک میں ایک ممتاز مقام پیدا کیا۔ مینلدا جہاں جہاں ناکام رہی وہاں کرسٹین کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے کارناموں کو سراہا بھی گیا اور اسے اعزازات سے بھی نوازا گیا ـــــــــ وہ اس قدر دل فریب اور حسین تھی کہ لوگ اس کے اشارۂ ابرو پر دم دیتے اور اس کی نظرِ کرم کے لیے تڑپتے رہتے۔ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے وقت کی ہیلین تھی جس پر

یونان کا ہر شہزادہ مرتا اور اس کے حصول کی کوشش کرتا۔

یہ حقیقت ہے کہ کرسٹین کی محبت کے سودائی سچ مچ اس پر جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے اور اس کی کامیابی کا بڑا راز شاید یہی تھا کہ وہ لوگوں کو حسن کے سحر میں مبتلا کر کے جس سے جو کام چاہتی وہ لے لیتی تھی۔

کرسٹین پولینڈ کے ایک قدیم گھرانے میں پیدا ہوئی جو پولینڈ اور روس کے کسی سرحدی مقام پر رہتا تھا۔ اس کا بچپن بڑی سختیوں میں گزرا اور انھی سختیوں نے اسے سخت جان بنا دیا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس کا قدرتی حُسن برقرار رہا اور آگے چل کر تو وہ ایک فتنۂ قیامت بن گیا۔ اس نے افسانوں کی نئی تخلیق کر دی جس سے فن کاروں کی سوچ حرکت میں آئی اور ان کے تخیل میں حسین سے حسین تر پیکر تراشنے لگے۔

آخر وہ پولینڈ کی ملکۂ حسن تسلیم کر لی گئی ـــــــــ اور ابھی وہ تعلیم سے بمشکل فارغ ہوئی تھی اور اس نے سکول چھوڑا ہی تھا کہ کاؤنٹ سٹاربیک اس پر فریفتہ ہو گیا۔ یہ نواب زادہ اپنے زمانے کا نامور صحافی تھا کرسٹین نے اس سے شادی کر لی۔ جرمنوں نے جب پولینڈ پر حملہ کیا تو وہ بھی مارا گیا۔ اور کرسٹین پھر اکیلی رہ گئی۔

کرسٹین کو سٹاربیک کی بے وقت کا بڑا صدمہ ہوا اور اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ ۴۰-۱۹۳۹ء کے دوران میں اس نے پولینڈ اور ہنگری کی سرحدوں پر دشمن کے مقابلے کے لیے ایک خفیہ تحریک شروع کی۔ تو اس نے مدد کے لیے لندن سے پولینڈ کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے ایک جاسوس کو بلوایا جو پیراشوٹ کے ذریعے ہنگری میں اتار دیا گیا۔ پولینڈ کے اس جاسوس نے جب اس قیامت خیز حسینہ کو دیکھا تو اس کے حُسن کی تاب نہ لا سکا۔ اور پہلی ہی نظر میں اس کا دل گھائل ہو گیا مگر کرسٹین نے اسے عشق کرنے کی اجازت نہ دی کیونکہ یہاں عشق سے اہم تر کام درپیش تھا اور کرسٹین سے عشق کرنے کی بجائے اسے اپنے مشن سے عشق کرنے کی ضرورت تھی جس سے پولینڈ کے مستقبل اور وقار کا تعلق تھا۔ اس طرح کرسٹین نے جب اس کو مسترد کر دیا تو ناکام ہو کر اس نے خودکشی کی کوشش کی لیکن اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

اہلِ برطانیہ نے تو ہمیشہ کرسٹین گرین دِل سے یورپ کی خفیہ تحریکوں کے سلسلے میں کام لیا۔ یہ عورت جہاں حُسن کی بے مثال دولت سے مالا مال تھی وہاں بے پناہ ہمت اور حوصلے کی مالک بھی تھی۔ دستی بم اور مشین گن لے کر خفیہ طور پر دشمن کی صفوں میں پہنچتی تو نہایت سخت جاں، خوف ناک اور بے باک سپاہی بن جاتی۔ ایک بار جرمن سپاہیوں نے اسے آلیا اور ہاتھ اٹھانے کو کہا۔ کرسٹین نے جھٹ ہاتھ اٹھا لیے مگر اس کے ہاتھوں میں بم تھے۔ اب اس نے غضب ناک ہو کر جرمن سپاہیوں سے کہا کہ اگر کسی نے ذرا بھی جنبش کی تو اس کے پرخچے اُڑ جائیں گے۔ جرمن سپاہی شش و پنج میں پڑ گئے اور کرسٹین اور اس کے ساتھی موقع پا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد جرمنوں نے اسے پکڑنے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن وہ ان کے ہاتھ نہ لگی۔

۱۹۴۴ء میں اسے پیراشوٹ کے ذریعے جنوبی فرانس میں اتارا گیا۔ یہاں وہ فرانسس کیمرتس اور فیلڈنگ کی ہمکار ہوئی۔ بدقسمتی سے جرمن گسٹاپو نے تینوں کا سراغ لگا لیا۔ ان کی جاسوسی کا پردہ فاش ہو گیا اور وہ گرفتار کر لیے گئے ——— فرانسس اور فیلڈنگ کو تو راہِ فرار نہ ملی لیکن کرسٹین کی چالاکی اور حُسن کی کرشمہ کاری کام کر گئی ———

اس میں جہاں اور بہت سے اوصاف تھے، وہاں ایک بڑا وصف یہ تھا کہ وہ اپنے جذبات اور محشر خیز جوانی کو کبھی بے قابو نہ ہونے دیتی۔ اسی میں اس کی قوت کا راز پنہاں تھا، اسی میں اس کی جیت تھی اور اس کے اس عزمِ آہنی، استقلال اور قوتِ ارادی نے اس کی ہر مشکل آسان کی۔

اب جرمنی کی فوجی قوت بری طرح مجروح ہو رہی تھی۔ ہٹلر کے لیے لڑائی شروع کرنا تو سہل تھا لیکن لڑائی بند کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔ معاملات اس کے اختیار سے باہر نکل چکے تھے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ روس کے برف زاروں میں جرمن کی بے پناہ قوت صرف ہو گئی تھی اور نازیوں کی جنگی اور انتظامی قوتوں میں انتشار پیدا ہو گیا تھا جس کے خلاف برطانیہ اپنی قوت مجتمع کر رہا تھا اور امریکہ تو ہنوز تازہ دم تھا۔ کرسٹین تمام حالات سے پوری طرح واقف تھی۔ انہی کے پیشِ نظر اس نے جرمنوں سے کہا کہ امریکی آنے کو ہیں، جنگ کا پانسہ جلد ہی پلٹ جائے گا۔ جرمن پہلے ہی سے کچھ ڈرے ہوئے تھے۔ اس اطلاع پر اور سہم گئے ———

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرسٹین اور اس کے دونوں ساتھیوں کو گولی مار دینے کا فیصلہ کیا جا چکا تھا اور اس فیصلے کو عملی شکل دینے میں صرف تین گھنٹے باقی تھے کرسٹین کی چال کامیاب ہو گئی اور رجمنٹ نے خوف زدہ ہو کر یا کسی امید پر اس کو رہا کر دیا۔

جنگ کے بعد کرسٹین گرین ول کو جارج میڈل ملا اور آرڈر آف دی برٹش ایمپائر او۔ بی۔ ای، جیسے اعزازات سے نوازا گیا۔ لیکن جب اس پر یہ نوازشیں ہو رہی تھیں، ان دنوں وہ مالی طور پر بہت بدحال تھی، پینے پانی نہ تھی۔ پہلے ایک دکان پر مددگار کے طور پر کام کرتی تھی پھر ایک ہوٹل میں ملازم ہو گئی۔ اس کے بعد جہاز میں سٹوورڈیس ہو گئی۔ اسی زمانے میں ایک شخص ڈینس جارج ملڈاؤ نے سے اس کی ملاقات ہوئی۔ یہ جہاز میں سٹوورڈ تھا۔ کرسٹین دوسرے لوگوں کی طرح اس کے دل میں بھی گھر کر گئی اور وہ بہت بری طرح اس کی محبت میں مبتلا ہو گیا۔ حالت جنون تک پہنچ گئی۔ اس کا کہنا تھا کہ شروع میں تو کرسٹین محبت کا جواب محبت سے دیتی رہی پھر کچھ مدت کے بعد اسے محسوس ہوا کہ وہ بوجھ اس سے دل لگی کر رہی تھی۔ آخر میں وہ ملڈاؤ نے کے ساتھ جہازوں پر کام کرنے سے کترانے لگی لیکن ملڈاؤ نے نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اسے ریفارم کلب میں کام لے دیا اور اس سے تعلق قائم رکھنے کی سعی کرتا رہا لیکن بات نہ بنی۔ ملڈاؤ نے کامیاب نہ ہو سکا اور کرسٹین اس پر مائلِ کرم نہ ہوئی۔ ملڈاؤ نے پر بری طرح جنسی

جنون سوار تھا۔ ایک روز اس نے باؤلے پن کی حالت میں چاقو بھونک کر اسے ہلاک کر دیا اور اس جرم میں ۳۰ ستمبر ۱۹۵۲ء کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سنتھیا

آب و تاب اور جلال و جمال کی یہ جاسوسہ خاصی شہرت کی مالک ہے۔ اس کا نام ایمی الزبتھ پیک تھا لیکن جاسوسی کی دنیا میں سنتھیا کے نام سے جانی جاتی ——— اس نے یہ مقولہ بڑی خوب صورتی سے ثابت کر دکھایا کہ جاسوس کو وطن کی ناموس پر قربان ہونے کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ وہ امریکہ میں پیدا ہوئی تھی اور اس نے ایک برطانوی سفیر سے شادی کر لی تھی جسے یہ خبر نہ تھی کہ اس کی خوب صورت اور دل فریب بیوی خفیہ جاسوس ہے اور جسم فروشی کے ذریعے دشمن سے معلومات حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتی۔ جب اس سے جسم فروشی کے موضوع پر بات چیت ہوئی تو اس نے بڑے اطمینان سے کہا "آخر جنگیں جائز اور آبرومندانہ طریقوں سے تو نہیں جیتی جاتیں جنگ میں تو سب کچھ روا ہے۔ دشمن پر فتح پانے کے لیے جو بھی کیا جائے درست ہے۔

سنتھیا دوسری جنگِ عظیم میں برطانیہ کے لیے جاسوسی کی خدمات انجام دیتی رہی۔ اس نے دو بہت بڑے کام کیے۔ اطالوی اور جرمنوں کی فرانسیسی وشی بحریہ کے سائفر معلوم کیے اور پیام رسانی کی خفیہ زبان کا پتا چلایا۔ اس سلسلے میں اسے جسم کی قربانی دینی پڑی اور اس نے دو سفیروں کے ساتھ راتیں گزاریں جو اس کے دامِ حسن و فریب میں گرفتار ہو گئے تھے۔ تیسرا بڑا کام یہ تھا کہ اس نے پیرس میں جرمن لیڈر کونریڈ ہینلین کے یہاں سے وہ گراں قدر نقشہ چرایا جس میں چیکوسلوویکیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا منصوبہ تھا۔

جنگ کے بعد اس نے ایک فرانسیسی سفیر سے شادی کر لی پھر سرطان کے مرض میں مبتلا ہو گئی اور ترپن سال کی عمر میں ۱۹۶۳ء میں وفات پا گئی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہندوستان
کی
جاسوس شہزادی

سلطان ٹیپو شہید کے خاندان کی معزز خاتون

دوسری جنگِ عظیم میں جن جانباز خواتین نے جاسوسی کے میدان میں نام پیدا کیا ان میں نور عنایت خان نے خاص شہرت پائی۔ اس ہندوستانی شہزادی کی داستان بڑی دلچسپ ہے۔ بیکر اسٹریٹ کے ادارۂ سراغ رسانی نے اسے ۱۹۴۳ء میں باہر بھیجا، وہ سال جس کو تباہیوں کا سال کہتے ہیں جب نازی پوری قوت اور شدت سے جاسوسوں پر ٹوٹ پڑے تھے اور ان کی غارت گری انتہا کو پہنچ گئی تھی۔

نور عنایت خان ریڈیو آپریٹر تھی۔ میسور (ہندوستان) کے فرمان روا مجاہدِ اعظم سلطان ٹیپو شہید کے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔

شہزادی کے والد صوفی منش آدمی تھے اور راسپوٹن کو جانتے تھے

جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انسان کی شکل میں شیطان تھا اور زارِ روس کے محلات میں اس کی آمد و رفت تھی۔ شہزادی یکم جنوری ۱۹۱۴ء کو کریملن (روس) میں پیدا ہوئی تھی۔ زندگی کا بیشتر حصہ اس نے فرانس میں گزارا اور بچوں کے لیے کہانیاں لکھتی رہی جو ریڈیو پیرس سے نشر ہوتیں۔ دل فریب صورت رکھتی تھی اور بڑی پیاری شخصیت کی مالک تھی۔

۱۹۴۰ء میں وہ فرانس سے بھاگ کر انگلستان آئی اور وائرلیس آپریٹر بن گئی ـــــ انگریزوں کی آمد کے بعد ہندوستان کے شاہی خاندان کے افراد جس گردش میں گرفتار ہوئے اس کی داستان بڑی طویل ہے اور دردناک بھی۔ نور عنایت خان بھی انہیں آفت رسیدہ لوگوں میں تھی۔ اس کے بزرگ ہندوستان کے حکمران تھے اور جاہ و سطوت میں اپنا ثانی نہ رکھتے مگر آج وہ وائرلیس آپریٹر تھی۔ اس نے برطانیہ اور فرانس دونوں کے جاسوسی اداروں میں کوشش کی تھی مگر کسی نے اس کو اپنے کام کے قابل قرار نہ دیا تھا ـــــ وہ اگرچہ تخت و تاج سے محروم تھی پھر بھی مزاج شاہانہ رکھتی تھی۔ طبیعت میں لاابالی پن اور بے نیازی بھی تھی۔

لہٰذا جب اسے جاسوسی کی تربیت گاہ میں بھیجا گیا تو اس نے بڑے شوق اور محنت سے کام کیا لیکن وہ مستقل مزاج نہ تھی۔ شاید اس لیے حفاظتی تدابیر کے کورس میں چنداں دلچسپی نہ لے سکی اور تربیت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے بعد اس کے بارے میں جو رپورٹ دی گئی اس میں اس کے شوق اور اس کی محنت کا تو اعتراف کیا گیا لیکن خود حفاظتی کے بارے میں اطمینان ظاہر نہیں کیا گیا۔

وہ اگرچہ معیار پر پوری نہ اترتی تھی لیکن وائرلیس آپریٹروں کی سخت کمی تھی۔ اسی کمی کے باعث اور اس میں کام کرنے کا جذبہ دیکھ کر بامرِ مجبوری اسے فرانس بھیج دیا گیا اور تربیت گاہ کی رپورٹ بھی نظر انداز کر دی گئی جس کے باعث ادارۂ سراغ رساں کے اقدام پر سخت نکتہ چینی کی گئی لیکن ادارے نے کوئی پروا نہ کی۔

نور عنایت خان ۱۶ جون ۱۹۴۳ء کو دوسری دو جاسوس عورتوں، سیسلی لیفورت اور دیانا رودین کے ہمراہ ہوائی جہاز کے ذریعے فرانس پہنچی یہاں ہنری دیری کورت کی نگرانی میں جاسوس اترنے جس کی شخصیت پہلے ہی سے مشکوک تھی اور ساتھی جسے نازی ایجنٹ سمجھتے ——— اس کی تفصیل آگے چل کر بیان کی جائے گی۔ ۶ جون کا دن بڑا منحوس تھا۔ اس روز جو عورتیں اتریں بعد میں پکڑی گئیں اور ماری گئیں۔ شہزادی نور لوئر میں اتری تھی اور پیرس پہنچ گئی جہاں وہ فرانسیسی جاسوس ہنری گیری کے پیغام ارسال کرنے لگی۔ مگر ساتھیوں نے خود حفاظتی کے معاملوں میں اسے بے پروا پایا اور اس کی طرف سے خوفزدہ ہو گئے ——— ستمبر کے وسط تک لندن میں شہزادی کا کوئی پیغام

موصول نہ ہوا۔ پھر اس نے ایک پیغام بھیجا جس میں زندہ بچ جانے والے چند جاسوسوں کے ناموں سے مطلع کیا اس پر اس سے لندن واپس آنے کو کہا گیا لیکن اس نے اصرار کیا کہ جب تک کوئی اس کی جگہ پہ کام کرنے والا نہ آئے گا وہ لندن نہیں جائے گی۔

آخر گستاپو کا ایجنٹ شہزادی کے سر ہو گیا۔ جو دیری کورت سے ملا ہوا تھا۔ اور جس کو بتایا گیا تھا کہ شہزادی جاسوسہ ہے۔ مگر گستاپو نئی مہم پر آنے والے جاسوس مردوں اور جاسوس عورتوں کا پیچھا چھوڑنے والا نہ تھا۔ ستمبر میں نازی پولیس نے شہزادی کا تعاقب کیا۔ اس کو پکڑنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ وہ ایک انفرادی شخصیت کی مالک تھی۔ پیرس میں اس جیسی شکل و صورت کی ایک عورت بھی نہ تھی۔ بفرضِ محال وہ نازی پولیس کی نظروں سے اوجھل بھی رہتی تو اس زمانے میں غداروں کی کمی نہ تھی۔ جن کو جرمن بھاری معاوضے ادا کرتے اور وہ تحریکِ مزاحمت کے جاسوسوں کو پکڑواتے رہتے۔

اکتوبر میں نور کے پیغامات کا سلسلہ اچانک رک گیا۔ پھر جب اس نے پیغام ارسال کیے تو وہ بے ربط تھے۔ جس سے لندن میں سمجھا گیا کہ نور پکڑی گئی ہے اور بحالتِ اسیری پیغام ارسال کر رہی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے پانسو پونڈ لے کر گستاپو کو اس کا ایڈریس دیا تھا۔ تحقیق کے بعد پتا چلا کہ یہ حرکت رینی گیری نامی عورت نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی تھی۔

نازیوں نے شہزادی نور کو اس کے فلیٹ میں جا کر پکڑا۔ ایک دن بعد رینی گیری کا بھائی ہنری گیری اور اس کی بیوی پکڑ لیے گئے۔

نازیوں کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ شہزادی نور نے بڑی جرأت کا ثبوت دیا اور راز کی ایک بات بھی نہ بتائی۔ دو بار اس نے بھاگنے کی کوشش بھی کی۔ بعد ازاں اسے جرمنی بھیج دیا گیا۔

نازیوں نے اس کے ریڈیو سیٹ، خفیہ کوڈ اور حفاظتی قوانین پر قبضہ کر لیا تھا جن سے انہیں بڑا فائدہ پہنچا۔ اس کے بعد کتنے ہی اور جاسوس پکڑے گئے اور انہیں بھیجی ہوئی رقوم بھی جرمنوں ہی نے وصول کیں۔

نور کو پابہ زنجیر ایک کوٹھڑی میں رکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ وہ تین عورتیں بھی تھیں جو ۱۶ جون کو دیری کورٹ کی نگرانی میں جہاز سے اتری تھیں۔ ایک روز یہ چاروں عورتیں باہر لائی گئیں۔ انہیں ایک دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا کر دیا گیا پھر ایک ایک کی گردن میں گولی مار دی گئی۔ یہ سب کچھ ہملر کی ہدایت پر کیا گیا جس کی بربریت اور شقی القلبی اپنی نظیر نہ رکھتی تھی۔

نور کی موت کی ذمہ داری رینی گیری پر عائد ہوتی ہے جس نے اسے نازیوں کی اذیت گاہ میں پہنچایا تھا۔ لیکن جس دن ان عورتوں

کو ہلاک کیا گیا، اسی دن اس کا بھائی ہنری گیری بھی مارا گیا۔ اگلے سال ایک عورت کا چلتا پھرتا ناتواں اور بے جان سا سایہ دیکھا گیا جو ہنری گیری کی بیوی کا تھا۔ وہ نازیوں کی قید سے چھوٹ کر آئی تھی۔

---

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فیروز سنز لمیٹڈ کے شہرۂ آفاق ناول

آنسو جو بہہ نہ سکے
نشاط فاطمہ

تن تارا را
رحیم گل

دستک نہ دو
الطاف فاطمہ

آدھی رات کا شہر
اے۔ حمید

نئی دُلھن
نغمہ شہزادی

لاکھ بلائیں ایک نشیمن
عادل رشید

بہو بیگم
عادل رشید

زرتاشیہ
ایم سلطانہ فخر

لاج
بلقیس صادق علی

بنتِ کلیسا
مقصود رضا

غُبارِ کوچۂ جاناں
آغا سہیل

بدن کا دوزخ
جبار توقیر

اِک بیقرار تڑپا
صبیحہ انجم

دِل کی بستی
شوکت دانا

وادیٔ جنّات
اختر رضوی

دلِ ویراں
مرزا ہمایوں بیگ

روبینہ
شاہدہ بیگم

خاور
مظہر امروہوی

پت جھڑ کا آخری دِن
ذکاء الرحمٰن

کاوشِ درد و غم
صبیحہ انجم

خلتِ قزاق
ہیرلڈلیم

خلتِ قزاق پُراسرار دُنیا میں
ہیرلڈلیم

منحوس ستارہ اور خلتِ قزاق
ہیرلڈلیم

خلتِ قزاق کے آخری معرکے
ہیرلڈلیم

فیروز سنز لمیٹڈ
لاہور — راولپنڈی — پشاور
منگلا — حیدر آباد — کراچی